شاہ اسحاق محدث دہلوی

اور

اُن کے مشہور تلامذہ

تالیف

ڈاکٹر محمد فاروق نعمان

ناشر

مکتبہ اہل سنت والجماعت 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

تالیف

ڈاکٹر محمد فاروق نعمان

ناشر

مکتبہ اہل سنت والجماعت 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

نام کتاب: شاہ اسحاق محدث دہلوی اور اُن کے مشہور تلامذہ

مولف: ڈاکٹر محمد فاروق نعمان

تاریخ اشاعت: طبع اوّل جنوری 2009ء

تعداد: 500/پانچ صد

قیمت:

ملنے کا پتہ

۱۔ مکتبہ اہل سنت و جماعت 87 جنوبی سرگودھا

۲۔ مکتبہ قاسمیہ لاہور

۳۔ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ اُردو بازار گوجرانوالہ

۴۔ مکتبہ سید احمد شہید اُردو بازار گوجرانوالہ

۵۔ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پیش لفظ

برصغیر پاک وہند میں ولی الٰہی خاندان کی خدماتِ اسلام تاریخ کے سنہری حروف میں مندرج ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدماتِ حدیث غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بیٹی شیخ محمد افضل لاہوری سے بیاہی گئی۔ شیخ محمد افضل کی پشت اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دختِ والا کے بطن سے شاہ محمد اسحاق پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیارے نواسے کی بیٹوں کی طرح پرورش کی۔

چونکہ شاہ عبدالعزیز کی اولادِ نرینہ نہیں تھی اس لئے ساری توجہ اپنے نواسے پر صرف کی۔ پس ان کے خاندان میں صرف ایک شخصیت ایسی تھی جو ان کی مسند سنبھال سکے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نواسے کو سندِ حدیث عطا فرما کر اپنی مسندِ درس پر بٹھایا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے ''میری تقریر اسماعیل نے لے لی، تحریر رشید الدین نے لے لی، اور علم وتقویٰ اسحاق کے حصے میں آیا''۔

شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چشمۂ علم سے ہزاروں لوگوں نے سیرابی حاصل کی۔ اور اپنے اپنے مقام پر خدماتِ حدیث کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ دارالعلوم دیو بند اور اس سے نکلنے والی بہت سی شاخیں آپ کے صرف ایک ہی شاگرد کی محنت کا نتیجہ ہے۔

سو جس شخصیت کے ہزاروں شاگرد ہوں ان کے چشمۂ فیض سے کتنے لوگوں نے علمی پیاس بجھائی ہوگی۔ اس لحاظ سے شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد تو احاطۂ تحریر سے باہر ہیں زیرِ نظر کتاب میں چند ایک کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ولادت باسعادت

امام ولی اللہی خاندان کے چشم و چراغ شاہ محمد اسحٰق محدث دھلویؒ کی ولادت باسعادت ۱۱۹۷ھ بمطابق 1782ء کو دہلی میں ہوئی ۔آپ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے نواسے تھے۔شاہ عبدالعزیز کی تین بیٹیاں تھیں۔ان میں سے ایک شیخ محمد افضل لاہوری سے بیاہی گئی،اور شیخ محمد افضل کی پشت سے اور شاہ عبد العزیز کی دخترِ والا کے بطن سے شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی پیدا ہوئے۔

تعلیم

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز مولوی عبد الحی بڈھانوی سے کیا،اور بقیہ تعلیم شاہ عبدالقادرؒ سے حاصل کی ۔سند حدیث اپنے نانا محترم شاہ عبد العزیزؒ سے حاصل کی ۔شاہ محمد اسحٰقؒ نے اپنے نانا محترم سے خاندان رحیمی کے مشہور نصاب درس کے علاوہ دیگر علوم متداولہ، حکمت ، ہندسہ، حساب اور تفسیر سے قبل عبرانی زبان اور تورات وانجیل کی تعلیم بھی حاصل کی۔جس وجہ حضرت شاہ اسحاقؒ کے افکاروآرا میں پختگی اور گہرائی پیدا ہوگئی تھی۔

تربیت

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی نرینہ اولاد نہیں تھی ،اس وجہ سے حضرت شاہ صاحب شاہ اسحاق کو بیٹے کی طرح سمجھتے تھے،اس لئے انہوں نے شاہ اسحاق کو ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی تربیت کا اہتمام بھی فرمایا۔جب شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ جیسے عظیم

المرتبت بزرگ استاد اور پیر ہوں تو کیا تصور کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے نواسے حضرت شاہ اسحاقؒ کے تزکیہ کے لئے کوتاہی کی ہوگی۔

جب انسان دنیا کے تمام گورکھ دھندوں اور سارے خرخشوں سے آزاد بلکہ بے نیاز ہو جاتا ہے، اور مادیت سے عشق کرنے کی بجائے اپنے خالق حقیقی کو حاصل کرنا اور اسکی رضا کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو پھر ان لوگوں کے عشق کے انداز بھی نرالے ہی ہوتے ہیں۔ اور عاشق بھی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جیسے ہوں تو کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جیسے دریا دل نے کیا کچھ نہیں دیا ہوگا۔ اور حاصل کرنے والے کی جوع وطلب ہر ہر جُرعہ پر دو چند ہو جاتی ہوگی۔

ارواحِ ثلاثہ کے صفحہ 111 پر لکھا ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے شاہ عبدالقادرؒ سے فرمایا، کہ میاں ''اسحاق کی طرف توجہ کرنا'' اس کا جواب شاہ عبدالقادرؒ نے یہ دیا کہ حضرت جی ''اسحاق کو اس کی ضرورت نہیں'': ۔ وہ بلا ذکر و شغل بوجہ اپنی ریاضت ہی کے ان لوگوں سے بڑھا ہوا ہے، جو باقاعدہ سلوک طے کرتے ہیں۔ غرض شاہ صاحب نے چند مرتبہ یہی ارشاد فرمایا، مگر شاہ عبدالقادر صاحب نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔

وعظ وتذکیر

اپنے استاد اور نانا محتر ا کی مجالس وعظ وتذکیر میں کثرت سے حصہ طلب کرنے کے بعد اپنے نانا محترم کی حیات مبارکہ میں ہی حضرت شاہ اسحاق محدث دہلویؒ نے وعظ وتذکیر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابتداءً وہ آغاز وعظ میں تلاوت قرآن مجید اور قرأت حدیث کیا

کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اس لئے شروع کیا کہ نانا محترم کی مجلس وعظ میں تسلسل قائم رہے۔ نانا شاہ عبدالعزیز محدثؒ کے انتقال کے بعد عوام کو خطاب کرتے۔ عوام وخواص ذوق وشوق سے شاہ اسحاق کی محفل وعظ میں جوق در جوق آتے اور مستفید ہوتے۔

عبدالرحیم ضیاء اور سرسیّد نے اپنی اپنی کُتب میں حضرت شاہ اسحٰق کے وعظ کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت امداداللہ مہاجر مکیؒ کا بیان ہے کہ مولانا محمد اسحاق صاحب عشرہ محرم کے دن بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے، بادشاہ (اکبر شاہ ثانی اور اس کے بعد سراج الدین ظفر حکمران ہوا) سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھا۔ ان کو آستین سے بند کرلیا اور جب تک مولانا شاہ اسحاقؒ بیٹھے رہے اکبر ان کے سامنے مؤدب بیٹھا رہا۔ اس مجلس میں سرالشہادتیں پڑھی جاتی تھیں، ایک خادم نے عرض کیا کہ ''اگلے بادشاہ درویش ہوا کرتے تھے''

فرمایا! کہ بادشاہ دراصل وہی ہے جو گدا ہو۔

باشاہ گداست ونام شہ گدا۔

درس وتدریس

خاندان رحیمی کے درس گاہی نظام کا یہ اصول کارفرما رہا ہے کہ ہر طالبعلم کی تعلیم کے بعد اُس کو ابتدائی درجوں کی تدریس کے لئے مقرر کیا جاتا، تاکہ ان کے علم میں مکمل طور پر مہارت اور گرفت ہو جائے۔ اس وجہ سے طالبعلم سے جو جو مقامات قابل حل رہ گئے ہوں وہ طلباء کی تدریس اور ان کے سوالات کے جوابات دینے سے دفع ہو جائیں۔ چنانچہ شاہ اسحاقؒ کو بھی فراغت کے بعد درس وتدریس کی ذمہ داری سونپی گئی، جب شاہ اسحاقؒ نے ابتدائی درس وتدریس شروع کیا تو انکی تدریسی لیاقت کی بناء پر مدرسہ رحیمیہ

کے اعلیٰ مدرسین میں شامل کیا گیا۔

مولانا موصوف نے ۱۲۴۰ھ میں ارض حجاز کا عزم کیا حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد شیخ محمد عمر بن عبدالکریم کے سلسلہ درس حدیث میں شمولیت اختیار کی اور تکمیل پر ہندوستان مراجعت فرمائی۔ اس اثناء میں مولانا موصوف کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی مسند حدیث پر خدمت کا موقعہ ملا۔ آپ نے اپنے نانا محترم شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی خلا اس طرح پر کی، کہ ہر لحاظ سے ان کی طرح کام کیا۔ آپ اپنے نانا محترم کی طرح عین سنت کے مطابق نماز پڑھاتے، ان کی طرح انتہائی پرہیز گار فرشتہ سیرت بلند اخلاق عمدہ کردار، قاطع بدعت، داعی سنت نبوی، زبدۃ المحدثین اور فخر علماء دین تھے۔ اسی وجہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ عالی قدر نواسے شاہ اسحاق اور اپنے بھتیجے مولانا محمد اسماعیل سے بہت زیادہ مشفق تھے، اور انہیں دیکھ کر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحٰقَ

حضرت شاہ صاحب اپنے نواسے شاہ اسحاقؒ کا زہد دیکھ کر انتہائی خوش ہوتے تھے۔ اور عالم مسرت میں فرمایا کرتے تھے، کہ میری تقریر اسماعیل نے اور تحریر رشید الدین نے لے لی۔ اور تقویٰ اسحاق کے حصہ میں آیا۔

سخاوت واعانت مجاہدین

سخاوت ایسی تھی کہ جو کچھ ہوتا تھا وہ مستحقین میں تقسیم فرما دیتے، مال و دولت سے کوئی محبت نہ رکھتے تھے۔ آپ حجاج کرام کی اکثر ضروریات کو پورا کرتے یہاں تک کہ ہندوستان سے جانے والے حجاج کرام اکثر ان کے ہاں ٹھہرتے۔ جتنا عرصہ آپ نے

سرزمین حجاز میں قیام کیا اس عرصہ میں حجاج کے غرباء ومساکین وبیوہ عورتوں کی امداد کرتے۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک مجاہدین میں علماء وخواص نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۸۱۷ء میں دہلی سے جہاد کا غلغلہ اُٹھا، اور ہر مسلمان کے دل میں رس گھولنے لگا۔ اور خصوصی طور پر ولی اللٰہی خاندان کیلئے عظیم خوشخبری تھی اس خاندان بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ہر نیکی کے کام میں یہ خاندان صفِ اول میں شریک ہوتا۔ اس خاندان نے دین کے ہر شعبہ میں اعلیٰ درجہ کی خدمت کی۔ احیاء دین کے لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کیا۔ بدعت کے خلاف آواز اُٹھائی، تحریری خدمات سر انجام دیں تبلیغی، درسی، تصنیفی، تجدیدی، اور جہادی خدمات ولی اللٰہی خاندان کا تمغہ امتیاز رہا۔

امیر مجاہدین

جب سید احمد شہیدؒ نے شاہ اسماعیلؒ اور شاہ اسحاقؒ کو جہاد کی ترغیب دی، تو انہوں نے اِن کی آواز پر لبیک کہا۔ بالاکوٹ کے معرکے ۱۲۴۶ھ بمطابق ۱۸۳۱ء میں جب سید صاحب اور شاہ محمد اسماعیل اور دوسرے اکابر کی جماعت شھید ہوگئی۔

تو اس سے تحریک مجاہدین پر بہت اثر پڑا، چونکہ جماعت کی عقیدت ایک شخص پر استوار تھی۔ اور اس ایک شخص اور اس کے اہل علم اور صاحب رائے رفقاء کی شہادت کے بعد جماعت کا منتشر، شکستہ دل اور پست ہمت ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ بعد ازاں جماعت کے نئے سربراہ کا انتخاب کیا گیا مگر کوئی تدبیر مؤثر نہ ہوئی۔

جب جنگ احد کے پہلے مرحلے کی طرح حالات پیدا ہوے، تو حضرت شاہ اسحاق نے جماعت میں اپنا کردار ادا کیا۔ شاہ اسحاق اپنے بھائی، شاگرد، اور داماد کو لے کر میدان

جنگ میں کود پڑے، اب تک ان کے داماد مولوی نصیر الدین اِسی جنگ کے لئے دہلی میں چندہ اکٹھا کرتے تھے، اور شاہ اسحاق مجاہد تیار کرتے تھے، مجاہدین کو مشورے اور خرچہ دے کر راستہ بتاتے تھے۔

آپ (شاہ اسحاق) مرکز جہاد نمبر 1 دہلی سے چل کر مرکز نمبر 2 ٹونک سے ہوتے ہوئے مرکز نمبر 3 سندھ پہنچے، مختلف علماء ومشائخ سے ملاقاتیں کرکے مشورے لئے اور بالآخر فراری بلوچوں کے ساتھ مل کر ان کے از دستِ رفتہ علاقے واپس لانے کے لئے روجھان مقام پر سکھوں سے برسرِ پیکار ہوئے۔ اور پہلے ہی مرحلے میں علاقہ روجھان کو سکھوں سے چھڑالیا۔ ۱۲۵۳ھ بمطابق ۱۸۳۸ء میں جب مزاری بلوچوں نے سکھوں سے صلح کر لی، اور والی بہاولپور نواب بہاول خان اور سندھ کے حکام کی بھی مرضی نہ دیکھی تو ترکِ سکونت کرکے افغانستان پہنچ گئے، اور امیر دوست محمد خان والی کابل کی حمایت میں انگریزوں سے لڑے، اور اس لڑائی میں غزنی میں مولوی صاحب کے بہت سے رفقاء شہادت پاگئے۔

مختصر یہ کہ شاہ اسحاقؒ نے تحریک جہاد میں عارضی طور پر نہیں بلکہ پیہم و مسلسل حصہ لیا۔ انکی حیثیت دہلی میں مجاہدین کے امین اور خزانچی کی نہیں بلکہ ایک رکن رکین معتمد خاص اور مختار عام کی تھی۔ آپ مجاہدین کی مالی اعانت بھی کرتے تھے۔ مجاہدین کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لیتے، اور اُن کو سامان حرب وضرب بھی خود اپنے مال سے خرید کر دیتے تھے۔ پورے ملک سے جو مجاہدین آئے تھے، وہ دہلی ٹھہر کر حضرت شاہ اسحاق سے راستہ اور زادِ راہ کے سلسلہ میں ہدایات اور سید صاحب کے نام پیغام لے کر آگے بڑھتے۔ المال والبنون زینة الحیوة الدنیا...... والباقیات الصالحات کا عملی نمونہ تھے۔

زہد وتقویٰ

آپ کو مال ودولت سے محبت نہ تھی آپ کو زہد کی زندگی زیادہ پسند تھی دنیا سے بے رغبتی ایسی تھی کہ اس سلسلے کا ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے۔ تحصیل سکندر آباد میں ایک بہت بڑا گاؤں ''حسن پور'' تھا۔

کسی زمانے میں یہ گاؤں مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کی ملکیت تھا۔ یہ دونوں بھائی انتہادرجے کے سخی اور فراخ حوصلہ تھے، اور اسی وجہ سے اکثر تنگ دست رہتے تھے۔ تنگ دستی کی وجہ سے بعض دفعہ ملول ومغموم بھی ہو جاتے تھے۔ واقعہ کے راوی مولانا مظفر حسین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی ہشاش بشاش اور خوش وخرم ہیں۔ سوچا کہ خوشی کی وجہ پوچھوں، لیکن جرأت نہ ہوئی۔

بالآخر مولانا محمد اسحٰق سے پوچھ ہی لیا۔ متعجبانہ لہجے میں فرمایا ! ''تمہیں نہیں معلوم''؟ عرض کیا ''نہیں، مجھے کچھ علم نہیں'' فرمایا ''ہمارا گاؤں جن پور ضبط ہو گیا ہے'' یہ خوشی اسی کی ہے۔ جب تک گاؤں ہمارے قبضے میں تھا، اللہ پر پورا توکل نہ تھا، اب صرف اسی پر توکل اور اسی پر بھروسہ ہے۔ (۱)

فن مناظرہ

عنفوان شباب سے اس مشق تدریس اور سند درس کے ساتھ منسلک ہو جانے کا یہ نتیجہ ہے، کہ شاہ اسحاق سے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا، انہوں نے مسلسل 50 برس تک درس دیا۔ اور ہزاروں علماء نے ان سے فیض حاصل کیا۔

---

(۱) ارواح ثلاثہ صفحہ ۱۲۳:

چونکہ حضرت کا مزاج مدرسانہ اور معلمانہ تھا، خطیبانہ اور داعیانہ نہیں تھا۔ معلم کا مزاج خطیب اور داعی کے مزاج سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔ چونکہ مدرس کا معاملہ طلبہ سے ہوتا ہے، جو اس کے ایک ایک لفظ کو تولتے اور ایک ایک بات کو پرکھتے ہیں اور ہر دعویٰ کی دلیل طلب کرتے ہیں اس لئے درس گاہ میں ایک ایک لفظ سوچ سوچ کر اور تول تول کر بولا جاتا ہے۔ اس وجہ سے مدرس کے مزاج میں پختگی اور علم میں وسعت ہوتی ہے، مدرس کے مزاج میں تحقیق اور احتیاط پسندی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ اسحاقؒ ایسے محقق اور احتیاط پسند معلم تھے، کہ نذیر حسین دہلوی جیسے متعصب آدمی سے بھی ایسے مشفقانہ اور محققانہ انداز سے بات کرتے تھے، کہ وہ بھی آپ کے جید اور محقق عالم اور مناظر ہونے کا اعتراف کرتا تھا۔ ایک پادری نے حضرت شاہ اسحاقؒ کو دعوت ''مناظرہ'' دی۔ آپ مناظرہ کیلئے تیار ہو گئے۔

مولانا فرید الدین مراد آبادی اور مولانا محمد یعقوب اور نواب رشید الدین نے آپ کو مشورہ دیا، کہ آپ مناظرانہ ایچ پیچ نہیں جانتے اس لئے اپنا نمائندہ مقرر کر دیں۔ فرمایا ''کہ مناظرہ میں خود کرونگا'' جب مجلس مناظرہ منعقد ہوئی، پادری سامنے آیا تو حواس باختہ ہو کر کانپنے لگا، اسلام اور مولانا کے خلاف ایک لفظ بھی نہ بولا، بلکہ کہنے لگا آپ ہی ارشاد فرمائیں، اس پر مولانا نے اسلام کی حقّانیت پر دلائل دیئے، اور عیسائیت مدللانہ کا ارتداد کیا۔ پادری خاموش رہا، نہ اس نے عیسائیت کا دفاع کیا نہ اسلام کی مخالفت کی۔ تقریر کے بعد مولانا نے فرمایا: ''اگر پادری میدانِ مناظرہ میں اتر آتا تو اللہ پاک میری مدد ضرور فرماتا'' اس لئے کہ میں نے باقاعدہ بائبل پڑھی ہے۔ فرمایا! یہ تو ولی اللہی خاندان کا دستور ہے، کہ قرآن پڑھنے سے قبل تورات، زبور، انجیل ضرور پڑھتے

ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ بغیر ان کتابوں کے پڑھے قرآن پاک پڑھنے کا مزانہیں آتا۔

تالیفات

شاہ صاحب کی مندرجہ ذیل اہم کتب ہیں۔

(۱)مسائل اربعین :(۲)مِأۃ مسائل :(۳)ترجمہ مشکوٰۃ:(۴)افتاء ھندی :
(۵) تذکرۃ الصیام:(۶) فضائل عشرہ ذی الحجہ:(۷) شعب الایمان:(۱)

مسائل اربعین:

دراصل یہ کتاب حضرت شاہ اسحاقؒ سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات ہیں۔حضرت شاہ اسحٰقؒ نے ان تمام مسائل کا شرح وبسط کے ساتھ جواب دیا۔یہ سوالات عام طور پر بدعات سے اجتناب،سنت کی پیروی،مسنون شادی اور دیگر معاملات زندگی پر مشتمل افتاء ہیں۔یہ تقریباً چالیس کے قریب سوالات ہیں،ان سوالات کو سید ابو محمد جالیسری نے کتابی شکل میں ترتیب دیا۔اب مخالفین نے اس میں ترمیم بھی کی ہے۔

مِأۃ المسائل:

یہ کتاب بھی مسائل کی ہے ان مسائل کو احمد اللہ بن دلیل اللہ صدیقی انامی نے جمع کیا اور اس کا نام مِأۃ المسائل فی تحصیل الفضائل بالادلۃ الشرعیہ وترک الامور المنھیہ رکھا۔اس کتاب میں تیموری شہزادے کے نوے(90)سوالات کے جواب جو حضرت شاہ اسحاقؒ نے دیئے تھے،درج ہیں۔

کتاب کے جامع نے لکھا ہے،کہ اس کے بعد میں نے دس(10)مزید سوالات

---

(۱) تذکرۃ الصیام اور افتاء ھندی نایاب ہیں،دیگر کتب بازار سے ملتی ہیں

حضرت شاہ صاحب سے دریافت کیئے، انہوں نے اُن کے جوابات دیئے۔ سُو میں نے تمام سوالات کو اکٹھا کر کے اُن کو کتابی شکل میں جمع کر دیا لہٰذا سو مسائل پورے ہو گئے۔

ترجمہ مشکوٰۃ:

اردو ترجمہ مشکوٰۃ کا نام ''مظاہر حق'' رکھا۔ یہ حضرت شاہ صاحب کے مشکوٰۃ کے دروس ہیں یہ تمام درس حضرت نواب قطب الدین خان دھلوی نے جمع کیئے۔

فضائل عشرہ ذی الحجہ:

یہ حضرت شاہؒ اسحاقؒ کا رسالہ عیدین کے احکام کے متعلق ہے۔ یہ حضرت موصوف کے ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا۔ نواب قطب الدین خان دھلوی کے ہاتھ لگا تو انہوں نے اس رسالہ کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کر کے اسکی مختصر شرح لکھی۔

شعب الایمان:

یہ شاہ صاحب کا رسالہ شعب الایمان ہے۔ یہ ایک مخطوطہ ہے، جس میں ایمان کے شعبے بنائے گئے ہیں۔ اور ہر نیکی کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی صغیرہ، کبیرہ گناہوں کی تفصیل بھی لکھی گئی ہے۔ بہت اچھی کتاب ہے، یہ بھی فارسی زبان میں لکھی گئی تھی۔

وفات:

شاہ اسحاقؒ نے اپنی زندگی میں 70 بہاریں یک شنبہ رجب ۱۲۶۲ھ بمطابق ۱۸۴۵ء میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ جنت المعلیٰ میں ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے مزار مبارک کے پاس مدفون ہوئے۔ شیخ عبداللہ سراج نے آپ کو غسل دیا غسل دیتے وقت شیخ کہنے لگے ''بخدا شاہ صاحب اگر زندہ رہتے اور میں ان سے زندگی بھر حدیث پڑھتا

تو بھی مجھے وہ مقام حاصل نہ ہوتا جو انہیں تھا،

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعہ۔

ملفوظات

۱۔اپنے کو کم ترین مخلوقات سمجھنا۔

۲۔حتیٰ الامکان خود کو قوتِ حرام ومشتبہ سے پرہیز واجب جانے۔کہ لقمہ مشتبہ حرام کے برابر نقصان دہ ہے۔

۳۔الم تعلم بانّ اللہ یریٰ : اکثر تعلیم فرمایا کرتے تھے،تا کہ ملاحظہ معنی صورت رؤیت حق تعالیٰ خود کو ملاحظہ کرے،اوراس پر مواظبت رکھے،تا کہ صورتِ ملکہ کا وجدان ہو۔

۴۔فرمایا کہ میرے خاندان کے تمام معمولات کی سب کو اجازت ہے۔

۵۔فرمایا کہ غیر جنس سے ترک اختلاط کیا جائے۔

۶۔فرمایا کہ ہر وقت اللہ سے مراقب رہو۔

۷۔دل میں یہ خیال ہو،کہ اللہ جلّ شانہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

مشہور تلامذہ و مریدین (اجمالی فہرست)

(۱)نواب قطب الدین خان محدث حنفی دہلوی:(۲) مولانا عبد الخالق حنفی دہلوی:(۳)مولانا عبدالغنی مجددی حنفی دہلوی:(۴)مولانا شیخ محمد تھانوی حنفی:(۵)مولانا احمد علی سہارنپوری حنفی:(۶) قاری عبد الرحمٰن پانی پتی حنفی:(۷)مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی حنفی (۸)مولانا محمد مظہر نانوتوی حنفی: (۹)مولانا مظفر حسین کاندھلوی حنفی:(۱۰)مولانا نور الحسن کاندھلوی حنفی:(۱۱)مولوی قاری حافظ اکرام اللہ دہلوی حنفی:

(۱۲)مولانا عبد اللہ سندھی حنفی : (۱۳)سید علی احمد عظیم آبادی حنفی:(۱۴)نصیر الدین شافعی:(۱۵)مولانا شاہ محمد یعقوب حنفی: (۱۶)محمد انصاری سہارنپوری حنفی: (۱۷)مولوی کرامت علی اسرائیلی:(۱۸) شیخ محمد انصاری سہارنپوری مکی: (۱۹)مولوی یار محمد بار وترتہی: (۲۰)مولوی عالم علی نگینوی : (۲۱)محمد حازمی (مکہ معظّمہ):(۲۲) مولوی سبحان بخش شکارپوری:(۲۳)مولوی گل محمد کابلی:(۲۴)مولوی نورعلی سسراواں: (۲۵)حافظ محمد جونپوری دہلوی حنفی:(۲۶)مولوی بہاؤالدین دکھنی حنفی:(۲۷)مولوی نصیر الدین دہلوی حنفی : (۲۸)مولوی عبد القیوم بھوپالی: (۲۹)مولوی نوازش علی :(۳۰)مولوی رستم علی خان دہلوی: (۳۱)مولوی غلام محی الدین بگوی: (۳۲)مولوی بشیر الدین قنوجی :(۳۳) مولوی عبد الجلیل علی گڑھی : (۳۴)مولوی سراج الدین سہسوانی: (۳۵)مولوی احمد اللہ انامی:(۳۶)مولوی سید ابومحمد جالسیری:(۳۷)مولوی خواجہ ضیاء الدین احمد دہلوی : (۳۸)عبیداللہ صدیقی : (۳۹)ظہور احمد کالپوری: (۴۰)میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد(نام نہاد اہل حدیث):(۴۱)حافظ محمد فاضل سورتی:

یہ فہرست ہے جو آثارالصنادید نزہۃ الخواطر اور تذکرہ علماء ہند وغیرہ سے ملی ہے ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جس عالم نے نصف صدی تک روزانہ نماز فجر سے عشاء تک پیہم درس دیا ہو اس کے تلامذہ یقیناً اس فہرست سے بدرجہا بہت زیادہ ہوں گے اور یہ فہرست بہت ناقص و نا تمام ہے۔

بعض مشہور تلامذہ کا تفصیلی تذکرہ:

(۱) مولانا قطب الدین محدث دہلوی حنفی (متوفی 1289):

مولانا قطب الدین دہلوی کے والد گرامی کا نام محی الدین تھا۔ شیخ وعالم، محدث وفقیہ اور صاحب صلاح وتقویٰ بزرگ تھے۔ حنفی المسلک تھے، اور کبار فقہائے حنفیہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ علم فقہ پر عبور میں شہرت رکھتے تھے۔ ۱۲۱۹ء میں پیدا ہوئے۔

مولانا محمد اسحاق دہلوی سے حدیث وفقہ کی کتابیں پڑھیں اور طویل عرصے تک ان کی صحبت ورفاقت میں رہنے کا شرف حاصل کیا۔ تفسیر وحدیث، فقہ واُصول اور دیگر علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ جامع معقول ومنقول اور حاوی فروع واُصول تھے۔ مسائل فقہی پر گہری نظر تھی اور بڑی بڑی کتابوں کی عبارتیں حفظ تھیں۔ ان کے حلقہ درس میں بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا، اور ان کے فتوے کو دلائل کے اعتبار سے خاص اہمیت دی گئی۔ یگانہ علم وفضل اور ماہر فقہ واُصول ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و عبادت اور عفت وقناعت میں بھی منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ (۱)

اپنے مسلک فقہی کو مکمل طور پر مضبوط دلائل کے ساتھ جانتے تھے جسکی وجہ سے وہ حنفی مسلک کو اقرب الی القرآن والحدیث سمجھتے تھے۔ اور حنفیت سے اختلاف کرنے والوں کو قرآن وحدیث کے دوٹوک دلائل سے خاموش کر دیتے تھے اسی وجہ سے حنفیت سے اختلاف اور تقلید کا انکار کرنیوالوں کے شدید مخالف تھے۔ مولانا سیّد نذیر حسین دہلوی ان کے ہم عصر تھے اور بعض مسائل فقہی میں وہ سیّد صاحب ممدوح کی سخت مخالفت کرتے تھے۔

(۱) ← (فقہائے پاک وہند)

مولانا قطب الدین دہلوی کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔مولوی فقیر محمد جہلمی حدائق الحنفیہ میں لکھتے ہیں کہ ۱۲۷۶ھ میں وہ دہلی میں ان کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے،لیکن افسوس ہے کہ ان سے استفادہ کا موقع نہ ملا۔

ان کو''نواب قطب الدین خان'' کہا جاتا ہے اور ان کا شمار رؤسائے دہلی میں ہوتا تھا۔اس لئے کہ اجداد واکابر کا ہمیشہ مغل حکومت سے تعلق رہا اور وہ سلطنت مغلیہ میں اچھے خاصے مناصب پر فائز رہے۔اِسی بناپر آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر ان کا احترام کرتا اور عزت سے پیش آتا تھا۔باقی عمّال حکومت کے نزدیک بھی انھیں مستحق تکریم سمجھا جاتا تھا۔

مولانا موصوف بے شمار صفات سے متصف تھے۔ان میں ایک صفت یہ تھی کہ وعظ وتذکیر اور تبلیغ دین کا انتہائی جذبہ رکھتے تھے۔اور ہر چوتھے دن باقاعدہ مجلس وعظ منعقد کرتے تھے۔وہ بہت بڑے مصنف،مترجم اور مفسر بھی تھے۔اُنھوں نے اُردو زبان کی خدمت بھی کی اور عام لوگوں کے فائدے کے لئے ان میں ضروری مسائل بھی بیان کردیئے۔

تصانیف

اُن کی تصانیف وتراجم میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں جو حدیث وفقہ سے متعلق ہیں۔

۱۔جامع التفاسیر: یہ قرآن مجید کی تفسیر ہے جو اُردو زبان میں ہے اور دو جلدوں میں ہے۔

۲۔مظاہر حق: یہ مشکوٰۃ کا اُردو ترجمہ ہے جو چار جلدوں میں ہے،عام فہم اور شستہ ترجمہ ہے۔

۳۔ظفر الجمیل: یہ اُردو میں حصن حصین کا ترجمہ ہے۔۴۔مظہر جمیل: ۵۔مجمع الخیر: ۶۔

جامع الحسنات : ۷۔ خلاصہ جامع صغیر : ۸۔ ہادی الناظرین : ۹۔ تحفۂ سلطان : ۱۰۔ معدن الجواہر : ۱۱۔ وظیفۂ مسنونہ : ۱۲۔ تحفۃ الزوجین : ۱۳۔ احکام الاضحیہ : ۱۴۔ فلاح دارین : ۱۵۔ تنویر الحق : ۱۶۔ توقیر الحق : ۱۷۔ تحفۃ العرب والعجم : ۱۸۔ احکام العیدین : ۱۹۔ رسالۂ مناسک : ۲۰۔ خلاصۃ النصائح : ۲۱۔ گلزار جنت : ۲۲۔ تنبیہ النساء : ۲۳۔ حقیقۃ الایمان : ۲۴۔ زاد المعاد : ۲۵۔ تذکرۃ الصیام : ۲۶۔ تذکرۃ الربا : ۲۷۔ آداب الصالحین : ۲۸۔ طب نبوی ﷺ

وہ کئی مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے گئے اور بعض علمائے حجاز سے سند حدیث حاصل کی۔

(۲) مولانا شیخ محمد تھانوی حنفی (متوفی 1296):

مولانا محمد بن احمد اللہ فاروقی تھانوی مشہور علماء فقہاء میں سے تھے۔ مولد و منشا تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) ہے۔ پہلے مولانا عبد الرحیم تھانوی اور شیخ قلندر بخش جلال آبادی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور اُن سے متعدد درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر عازم دہلی ہوئے، وہاں مولانا مملوک علی نانوتوی سے علومِ مروّجہ کی تعلیم حاصل کی اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے فلسفہ و منطق کی تکمیل کی۔ اس زمانے میں دہلی میں مولانا محمد اسحاق دہلوی کا ہنگامۂ درس حدیث زوروں پر تھا، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علمِ حدیث میں عبور حاصل کیا۔ مولانا محمد تھانوی نہایت ذکی، سریع الادراک، قوی الحفظ اور نرم مزاج و نرم کلام تھے۔ ابتداء عمر ہی سے اصحابِ تقویٰ اور بزرگِ دین سے تعلق رکھتے تھے۔ صغر سنی ہی میں سیّد احمد شہید بریلویؒ کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے تھے۔

جب جوانی کو پہنچے تو شیخ نور محمد جھنجانوی کی خدمت میں رہے اور طریقت کے مراتب میں

کمال کو پہنچے کافی دیر ٹونک میں رہے وہاں درس وتدریس اور ارشاد میں مشغول رہے پھر اپنے وطن واپس آ کر باقی عمر ارشاد وتلقین میں بسر کی۔ حضرت حاجی امداداللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی اور حافظ محمد فیاض شہیدؒ آپ کے پیر بھائی تھے۔ ایک زمانہ تک تینوں ایک جگہ جمع رہے اور باہم بہت محبت اور بے تکلفی تھی حضرت تھانوی نے فرمایا کہ جب حضرت حاجی صاحب یہاں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں تشریف رکھتے تھے تو ایک کچھال میں کچھ چنے کچھ کشمش ملی ہوئی رکھتے تھے صبح کے وقت مولانا شیخ محمد محدث تھانوی حافظ ضامن صاحب اور حضرت حاجی صاحب ساتھ مل کر کھایا کرتے تھے اور آپس میں چھینا جھپٹی بھی ہوتی تھی بھاگے بھاگے پھرتے تھے حالانکہ اس وقت مشائخ اس مسجد کو ''دکان معرفت'' کہتے تھے۔ اور ہندوستان کے دربار میں لوگ ان تینوں کو قطب ثلاثہ سمجھتے تھے حضرت حاجی صاحب دھلی کے شہزادوں اور علماء کرام میں مشہور بزرگ تھے مگر پیر بھائیوں سے اس قدر بے تکلفی برتتے تھے۔(۱)

(تلامذہ)

(۱) نواب محمد علی خان: (۲) سیّد برکات احمد:

تصانیف:

۱۔ حاشیہ سنن نسائی:

۲۔ مثنوی مولوی معنوی:

۳۔ شرح حزب البحر:

---

(۱) ارواح ثلاثہ صفحہ ۱۴۴۔

۴۔شرح عقائد:

۵۔انوار محمدی:

۶۔بیاض محمدی:

۷۔ارشاد محمدی:

۸۔مناظرہ محمدی: (اس کتاب میں خرق والتیام ثابت کیا ہے)

۹۔قسطاس فی اثرِ ابن عباس:

۱۰۔رسالہ الہامات الموجود الودود فی وحدۃ الوجود الشھداء:

۱۱۔مکاتباتِ محمد:

۱۲۔**تفضیل المنحتین**:

۱۳۔دلائل الاذکار فی اثبات الجہر بالاسرار:

۱۴۔حواشی شرح العقائد

(۳) مولانا محمد مظہر نانوتوی حنفی (متوفی ۱۳۰۲ھ)

مولانا محمد احسن نانوتویؒ کے حقیقی بڑے بھائی تھے ۱۸۲۳ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و حفظ قرآن اپنے والد حافظ لطف علی سے کیا ''دہلی کالج'' دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا حدیث کی سند حضرت شاہ اسحاقؒ سے حاصل کی۔ مفتی صدرالدین اور مولانا رشید الدینؒ سے بھی علمی استفادہ فرمایا مولانا محمد مظہر تحصیل علم کے بعد اجمیر کالج میں ملازم ہوگئے وہاں سے آگرہ کالج تبادلہ ہوا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔

مولانا محمد مظہرؒ کے پیر میں گولی لگی تھی جہاد شاملی کے بعد تمام شرکاء مصائب وآلام میں مبتلا رہے، مولانا محمد مظہر نانوتوی بھی روپوش ہو گئے اس زمانہ میں کچھ دن بریلی میں بھی رہے جب معافی عام ہوئی تو ظاہر ہوئے ملازمت سرکاری سے قطع تعلق ہو گیا۔ گھر پر طلباء کو درس دینا شروع کر دیا۔ مولانا کی شرکت جہاد کا حال، اخفاء و پوشیدگی کی نظر ہو گیا۔(۱)

رجب ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء میں مولوی سعادت علی سہارنپوری نے ایک مدرسہ سہارنپور میں قائم کیا مولوی سخاوت علی انبیٹھویؒ مولوی عنایت علیؒ اور حافظ قمر الدینؒ مدرس مقرر ہوئے۔ تین مہینے کے بعد شوال ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۷ء میں مولانا محمد مظہرؒ نانوتوی اس مدرسہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ جب مدرسہ کو ترقی ہوئی تو حافظ فضل حق نے اپنے مکان کو مدرسہ کے لئے وقف کر دیا۔ مکان کی عمارت توڑ کر مدرسہ کی عمارت تعمیر کی گئی۔

حافظ فضل حق (متوفی ۱۳۰۲ھ) مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی کے مرید اور مولانا محمد مظہر صاحبؒ کے مخلص دوست تھے۔ مدرسہ تعمیر ہونے کے بعد مدرسہ کا نام مظاہر العلوم تجویز ہوا۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری بھی اسی مدرسہ کے معین ومددگار رہے مدرسہ مظاہر العلوم ہندوستان کی مشہور اسلامی درسگاہ ہے۔ اس نے مذہب وعلوم اسلامی کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

بڑے بڑے نامور علماء اس درسگاہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے اور برصغیر پاک وہند میں دین کی خدمات میں مصروف ہیں ان کے بعد حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلویؒ بھی

---

(۱) مفتی عزیز الرحمٰن ہزاروی مؤلف تذکرۂ مشائخ دیوبند ص ۱۶۴ کا یہ بیان درست نہیں کہ مولانا محمد مظہر نانوتوی نے کچھ دنوں مطبع کشور لکھنؤ میں کتابت بھی کی۔

صدر مدرس رہے اور آج بھی یہ مدرسہ ہندوستان کی اسلامی یونیورسٹیوں میں اہم مقام رکھتا ہے اسلامی علوم کی شمعیں دور دور تک علم کا نور پھیلا رہی ہیں اور یہ سارے کا سارا کریڈٹ حضرت شاہ اسحاقؒ کے سر ہے۔ ۱۲۷۷ھ بمطابق ۱۸۸۱ء میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے ہمراہ پہلا حج کیا۔ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں دوسرا حج کیا مولانا محمد مظہر کے تعلقات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بہت خصوصیت کے تھے۔ (۱)

مولانا محمد مظہرؒ حدیث وفقہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ مولانا محمد احسن نانوتوی نے جب مولوی خرم علی بلہوری کے ورثاء سے درمختار کا اُردو ترجمہ اشاعت کیلئے خریدا تو اس کتاب کے ترجمے اور صحت و درستی میں مولانا محمد مظہر پورے پورے شریک رہے جیسا کہ مولانا محمد احسن نے کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ (۲)

مولانا محمد مظہر نانوتوی نہایت متقی، پرہیز گار منکسر المزاج اور نیک نفس بزرگ تھے۔ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں سہارنپور میں لاولد فوت ہوئے آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے علماء مثل۔ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہ تھے۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی کے انتقال پر سرسید احمد خاں بہادر (متوفی ۱۸۹۸ء) نے ایک شذرہ لکھا ہے (۳)

مولانا محمد مظہر نانوتوی صاحب مرحوم: افسوس ہے کہ مولوی محمد مظہر صاحب نے جو عربی مدرسہ سہارنپور میں مدرس تھے، اور ان ہی کی ذات بابرکات سے اس مدرسہ کو عزت اور

---

(۱) ملاحظہ ہو مذہب منصور از مولانا منصور العلی خاں مرادآبادی (جلد دوم ص ۱۸۰ (حیدر آباد دکن)

(۲) ملاحظہ ہو غایۃ الاوطار ص ۶۔ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۳ء۔

(۳) علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ ص ۱۱۴ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۵ء۔

رونق تھی بروز شنبہ تیسری اکتوبر ۱۸۸۵ء کو انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مولوی صاحب ممدوح بہت بڑے عالم تھے جس زمانے میں دہلی میں طالب علم تھے، اسی زمانے میں ان کی ذہانت مشہور تھی۔
تقویٰ وورع میں بھی نہایت اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ بیس برس سے انہوں نے اپنے ہم قوموں کو علوم دینی کی فیض رسانی پر کمر ہمت چست باندھی تھی۔ اور عربی مدرسہ سہارنپور میں پاشکستہ ہو کر بیٹھ گئے تھے، آمدنی سے صرف پچیس روپیہ ماہواری بقدر گزر اوقات لیتے تھے۔ اور علوم کی تعلیم میں مصروف تھے بہت لوگ ان سے فیض یاب ہوئے، مگر افسوس ہے کہ اجل نے لوگوں کو اس فیض سے محروم کر دیا۔
مشہور تلامذہ (۱) مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، :(۲) الشیخ المحدث العارف مولانا حسین علی نقشبندی حنفی (واں بچھراں) ۱۳۶۴۔

(۴) مولانا مظفر حسین کاندھلوی حنفیؒ: (متوفی 1283)

ہندوستان کے صوبہ یوپی میں ''کاندھلہ'' ایک مشہور شہر ہے جس میں بہت سے علماء وفقہا پیدا ہوئے۔ ان میں ایک عالم مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ تھے۔ جو مولانا محمود بخش کاندھلویؒ (متوفی ۱۲۵۸ھ) کے فرزند گرامی تھے۔ یہ خاندان کئی پشتوں سے خدمتِ علم ودین میں مصروف تھا، اوران میں سے ہر بزرگ اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔
مولانا مظفر حسینؒ اپنے عہد کے شیخ کبیر، عالم نبیل، فقیہ نامدار اور متقی وصالح شخص تھے۔ اتباع سنت، شریعت میں استقامت، کلمۂ حق میں عزیمت اور پاک بازی اور تورّع میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہوسکتا ہے، کہ تمام عمر لقمۂ مشتبہ حلق

میں نہیں اتارا۔ اگر بے خبری میں کوئی ایسی چیز مُنہ میں چلی گئی تو معدے نے اُسے قبول نہیں کیا، فوراً اُگل دیا۔

یہ اللہ کا بہت بڑا انعام تھا جو انہیں نصیب ہوا۔ مولانا مظفر حسینؒ کی ولادت اور نشو ونما کاندھلہ میں ہوئی، کچھ بڑے ہوئے تو مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کے حلقہ درس میں شمولیت کی اور ایک مدت تک ان سے منسلک رہے۔ ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۵ھ کو مفتی صاحب ممدوح کا انتقال ہوا تو مولانا مظفر حسینؒ نے دہلی کا عزم کیا اور مولانا شاہ محمد اسحاقؒ کے حلقہ درس میں شریک ہوگئے۔ ۱۲۵۸ھ کو مولانا مظفر حسینؒ نے امیر المجاہدین سید احمد شہیدؒ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا اور ان سے مستفیض ہوئے۔ مولانا ممدوح نے سنّت مطہرہ کی حمایت اور بدعت کی تردید کے لئے زندگی وقف کردی تھی۔ ان کے زمانے میں کسی عورت کا شوہر فوت ہوجاتا تو دوسری جگہ اس کا نکاح نہیں کیا جاتا تھا اور وہ تمام عمر گھر میں بیٹھی رہتی اور اسی طرح زندگی گزار دیتی تھی۔ یہ ہندوانہ رسم تھی جو ہندوستان کے مسلمانوں میں رواج پذیر ہوگئی تھی۔ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ نے اس غلط اور غیر رسم کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی، ان کے رفقائے عالی مقام نے بھی اس کے خلاف جدوجہد کی۔

مولانا مظفر حسین کاندھلوی نے بھی اس رسم کی شدید مخالفت کی اور بہت سی بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کا اہتمام کیا۔ اس سلسلے میں جاہل اور اسلامی احکام سے ناواقف مسلمانوں کی طرف سے انہیں سخت مصائب میں مبتلا کیا گیا، مگر وہ اس غیر شرعی رسم کو ختم کرنے کے لیے برابر کوشاں رہے۔

مولانا مظفر حسین نے دو حج کئے۔ پہلے حج کے لیے وہ ہندوستان سے روانہ ہوئے تو مکہ

مکرمہ گئے پھر حج سے فارغ ہو کر مدینہ منوّرہ پہنچے اور بخیریت وطن واپس آ گئے۔ کچھ عرصے بعد حج ثانی کا قصد کیا۔ مکہ مکرمہ پہنچے تو ان کے استادِ مکرم مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی کا انتقال ہو گیا، ان کی نماز جنازہ پڑھی اور تجہیز و تکفین کی۔ اس کے بعد حج کیا اور مدینہ منوّرہ روانہ ہو گئے لیکن راستے ہی میں بیمار پڑ گئے، حالت مرض ہی میں مدینہ منوّرہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں چلے گئے۔ یہ جمعرات کی شب ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ کا واقعہ(۱)

(۵) مفتی عنایت احمد کاکوروی حنفی (مصنف علم الصیغہ)

ہندوستان کے مشہور صوبہ یو۔ پی۔ میں لکھنؤ کے قریب کاکوری ایک مقام ہے جس میں بے شمار علماء وفقہا نے جنم لیا۔ اور عظیم مراتب تک رسائی حاصل کی۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی بھی ان جید علماء احناف میں سے ہیں جن سے علم و معرفت کی شعائیں دور دور تک پھیلیں۔ انکا سلسلہ نسب یہ ہے:۔ عنایت احمد بن محمد بخش بن غلام محمد بن لطف اللہ۔ ولادت ۹ شوال ۱۲۲۸ھ/۵ اکتوبر ۱۸۱۳ء کو بمقام دیوہ ہوئی۔ حصول علم کے لیے پہلے رام پور گئے اس وقت تیرہ سال کی عمر تھی۔ وہاں مولانا سید محمد بریلوی سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا حیدر علی ٹونکی اور مولانا نورالاسلام دہلوی سے رام پور میں استفادہ کیا اور کافی عرصہ ان کے حلقہ درس میں شریک رہے۔ (۲)

اسکے بعد دہلی گئے اور مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کے دائرہ شاگردی میں شامل ہوئے۔ ان سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور سند حاصل کی۔ اس کے بعد علی گڑھ کو روانہ

---

(۱) حدائق حنفیہ ص ۴۸۹، نزہۃ الخواطر ج ۲/ص ۴۸۲، علماء دیوبند ص ۲۲۶۔ ہے۔ (۲) اسحاق بھٹی

ہوئے۔ وہاں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین دہلوی کے شاگرد مولانا بزرگ علی مارہردی کی خدمت میں حاضری کی، ان سے معقول ومنقول کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا بزرگ علیؒ کے بعد علی گڑھ میں ایک سال تک ان کے مدرسے میں پڑھاتے بھی رہے۔ یہ مدرسہ قلعے کی جامع مسجد میں تھا اور مغل حکمران محمد شاہ کے عہد میں علی گڑھ کے گورنر نواب ثابت خان نے اپنی تعمیر کردہ مسجد میں قائم کیا تھا۔

مفتی عنایت احمدؒ کے عہد اہتمام میں صوبہ جات متحدہ کے لیفٹینٹ گورنر نے خوش ہوکر ایک سو روپے انعام بھی دیا تھا، جو اُس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔ اس کی روداد "اخبار الحقائق وتعلیم الخلائق" (آگرہ) میں شائع ہوئی تھی، جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "خبر علی گڑھ:۔ وہاں کے جمیع شرفاء اور رؤسا جناب لیفٹینٹ گورنر بہادر کے شکر گزار ہیں کہ جناب حال درس وتدریس مدرسہ علی گڑھ سے کمال رضامند ہوئے، سو روپے انعام دیے۔ مولوی مفتی عنایت احمدؒ مدرسہ اور مدرسین کی از بس تحسین کی۔ حقیقت میں وہ مدرسہ اور مہتمم ممدوح اور مدرسین قابل تحسین وآفرین ہیں کہ ایک عجیب علوم خیز مدرسہ ہے۔"

مفتی عنایت احمدؒ بہت ذہین، فقہیات کے ماہر اور عالمِ اجل تھے۔ اپنی قابلیت کی بنا پر علی گڑھ کے مفتی مقرر ہوئے۔ تدریس کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ تین سال یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد علی گڑھ کا عہدہ عدل وانصاف اور منصب قضا بھی ان کے سپرد ہوا دو سال اس عہدے پر مامور رہے۔

پھر بریلی میں تبادلہ ہوگیا اور وہاں کے صدرِ امین مقرر کیے گئے۔ چار سال اس منصب پر فائز رہے۔ بعد ازاں ترقی کر کے آگرہ کے صدرِ اعلیٰ بنا دیئے گئے۔ نئے منصب پر

متمکن ہونے کے لئے بریلی سے آگرہ جارہے تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ بپا ہو گیا۔ یہ ۱۲۷۳ھ کی بات ہے تمام راستے مخدوش ہو گئے پورے ملک میں افراتفری پھیل گئی اور اِدھر سے اُدھر جانا اور سفر کرنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ ان حالات میں آگرہ نہ جاسکے بریلی اور رام پور میں قیام رہا۔

اس اثنا میں مفتی صاحب نے ہندوستانیوں کی فوجی حکومت کی امداد کے لئے فتویٰ دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں اہل ہند نے پہلے انگریزوں کی پٹائی کی اوران کو دل کھول کر مارا، اس کے بعد انگریزی حکومت نے حالات پر قابو پا لیا، اور باشندگان ملک سے انتقام لینے لگے اس میں مسلمانوں کو بالخصوص نقصان ہوا۔ جس چہرے پر داڑھی دیکھی اور عالم یا واعظ معلوم ہوا، پکڑ لیا گیا اور شدید سزا دی گئی۔ مفتی صاحب ممدوح بھی گرفت میں آ گئے ، بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلا اور عبور دریائے شور کی سزا ملی۔

مفتی صاحب جزائر انڈیمان (کالا پانی) پہنچے تو ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی لیکن اتنے ذہین اور متبحر عالم تھے کہ کتابیں نہ ہونے کے باوجود وہاں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تصنیفات میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

۱۔ ترجمہ تقویم البلدان :۔ یہ ایک عربی کتاب ہے اور اپنے موضوع میں منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ انڈمان کے انگریزی حاکم نے اس کا عربی سے اُردو میں ترجمہ کرانے کا ارادہ کیا۔ تاکہ بعد میں اُسے اُردو سے انگریزی میں منتقل کرنے میں آسانی رہے۔ عربی کے جو علما اس زمانے میں سیاسی قیدی کی حیثیت سے کالا پانی میں موجود تھے ان میں سے بعض علما سے اس کا اُردو ترجمہ کرنے کو کہا گیا مگر کسی نے نہ کیا۔ مفتی صاحب سے کہا تو اُنہوں نے کر دیا، اس سے انڈیمان کا انگریز حاکم بہت خوش ہوا

اور پھر یہی کتاب ان کی رہائی کا سبب بنی۔

۲۔ **علم الفرائض** :۔ یہ ان کی سب سے پہلی کتاب ہے جو ۱۲۶۲ھ میں طبع ہوئی۔ یہ علم فرائض کے بارے میں ہے۔

۳۔ **ملخصات الحساب** :۔ ۱۲۶۳ھ میں شائع ہوئی۔

۴۔ **تصدیق المسیح ورد حکم القبیح** : ۱۲۶۸ھ میں طبع ہوئی۔

۵۔ **الکلام المبین فی آیات رحمة للعالمین** :۔ ۱۲۷۰ھ میں طبع ہوئی۔

۶۔ **محاسن العمل الافضل فی الصلوٰۃ**: یعنی نماز میں کون سے اعمال افضل ہیں ۔مطبوعہ ۱۲۷۲ھ ۔

۷۔ **الدر الفرید فی مسائل الصیام والقیام والعید** : یہ کتاب نماز روزہ قیام الیل اور عید کے مسائل پر مشتمل ہے۔ ۱۲۷۲ھ میں طبع ہوئی

۸۔ **ھدایات الاضاحی** : یہ رسالہ ۱۲۷۲ھ میں طبع ہوا۔

۹۔ **لیلة القدر** : ایک رسالہ ہے جس میں شب قدر کے بارے میں فضائل مرقوم ہیں۔ ۱۲۷۲ھ میں طبع ہوا۔

۱۰۔ **فضل العلم والعلماء**: یعنی علم اور علمائے دین کے فضائل میں۔ مطبوعہ ۱۲۷۲ھ۔

۱۱۔ **فضائل درود وسلام** :۔ رسُول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کے فضائل کے بارے میں ایک رسالہ۔ ۱۲۷۲ھ میں طبع ہوا۔

۱۲۔ **میلوں کی مذمت میں**: ۔ یہ ایک رسالہ ہے جو ہولی، دیوالی اور ہندوؤں کی مذہبی تقریبات میں مسلمانوں کی شرکت کے رد میں ہے۔ اس کا مطلب مسلمانوں کو بدعات سے دُور رکھنا ہے۔ ۱۲۷۲ھ میں طبع ہوا۔

۱۳۔ضمان الفردوس :۔ترغیب وترہیب کے انداز کا ایک رسالہ۔

۱۴۔ الاربعین من احادیث النبی الامین :۔۱۲۷۵ھ میں طبع ہوئی۔

۱۵۔علم الصیغه : یہ علم صرف کی کتاب ہے جو انڈمان میں حافظ وزیر علی کی فرمائش پر لکھی۔۱۲۷۲ھ میں طبع ہوئی۔

۱۶۔وظیفه کریمه :۱۲۷۲ھ میں طبع ہوئی۔

۱۷۔ تاریخ حبیب الله :۔رسول اللہ ﷺ کی سیرت۔۱۲۷۵ھ میں طبع ہوئی۔

۱۸۔خجستۂ بهار :گلستان کے انداز کی فارسی نثر میں یہ کتاب ۱۲۷۶ھ میں طبع ہوئی۔

۱۹۔مراقع النجوم :۔صوبہ یو۔پی کے گورنر ٹامس نے یہ کتاب دیکھی تو اسے بہت پسند کیا۔

تقویم البلدان کے اُردو ترجمے کی وجہ سے انڈیمان کے انگریز حاکم کی سفارش سے رہا ہوئے تو واپس ہندوستان آئے اور ارکان پور میں اقامت اختیار کی۔وہاں مطبع نظامیہ کے مالک حاجی عبدالرحمٰن مرحوم نے ان کے لیے ایک مدرسہ تعمیر کر دیا تھا۔جو ''مدرسۂ فیض عام'' کے نام سے مشہور ہوا۔وہاں صرف تین سال تک پڑھایا۔اس کے بعد حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔جب جہاز جدہ کے قریب پہنچا تو ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔دوسرے عازمین حج کے ساتھ یہ بھی سمندر میں ڈوب گئے اور درجۂ شہادت پایا۔ (فقہائے پاک وہند)

(۶) مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی حنفی (متوفی ۱۲۹۶)۔

برصغیر پاک وہند میں تیرہویں صدی ہجری کے جن بلند بخت حضرات علما نے خدمتِ حدیث میں نمایاں کردار ادا کیا، ان میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد اور نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کا اسمِ گرامی تاریخ تدریس میں اُبھرے ہوئے الفاظ میں مرقوم ہے۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کے شاگردوں اور فیض یافتہ لوگوں کا حلقہ نہایت وسیع ہے۔ لیکن اس وُسعت پذیر حلقے میں کچھ بزرگ وہ ہیں، جن کی مثال دورِ متاخرین میں خدمتِ حدیث کے سلسلے میں کوئی نہیں ملتی (۱)۔ وہ ہیں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی اور حضرت احمد علی سہارنپوری حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ نواب قطب الدینؒ۔

ان بزرگانِ عالی قدر سے بلا امتیاز مسلکِ فقہی بے شمار علمائے عظام نے فیض حاصل کیا اور پھر اپنی ذہنی وفکری استعداد کے مطابق اس بنیادی علم کی ترویج و اشاعت میں زندگیاں وقف کر دیں۔... اِن سطور میں صرف حضرت مولانا عبدالغنی دہلویؒ کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کرنا مقصود ہے۔ مولانا ممدوح حضرت مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف میں سے تھے۔ (۲)

اس خانوادۂ عالی مرتبت کا ہر فرد زیورِ علم وفضل سے آراستہ تھا۔ آج برصغیر کے مختلف گوشوں میں فروغ علم کی جو مسندیں بچھی ہوئی ہیں، ان میں کسی نہ کسی شکل میں اس خاندان کا اصحابِ کمال کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ان میں سے کسی بزرگ نے تصوف و طریقت کی محفلیں جمائیں، کسی نے وعظ ونصیحت کا راستہ اختیار کیا، کوئی تصنیف وتالیف

(۱)(۲) فقہائے پاک وہند

کی راہ پر گامزن ہوا، اور کوئی درس وتدریس کے میدان میں اُترا۔ غرض ہر ایک نے اپنی بساط واستطاعت اور حالات کے مطابق وہ شان دار خدمات انجام دیں کہ جن کی ہمہ گیر اثر پذیری سے بنجر دلوں کی کھیتیاں سر سبز ہوئیں اور قلب ونظر کے بھٹکے ہوئے قافلوں نے تسکین وراحت کی منزل پائی۔

ان حضرات کے نوع بنوع کارنامے آج تذکرۂ رجال کی کتابوں کے زرّیں باب بن گئے ہیں اور لوگ ان سے مستفید ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے مولانا عبدالغنی مجددیؒ بھی اسی بحرِ ناپیدا کنار کی ایک موجِ خوش خرام تھے، جس سے ہزاروں تشنہ لبوں نے سیراب ہونے کی سعادت حاصل کی۔ مولانا شاہ عبدالغنی مجددی ۲۲ شعبان ۱۲۳۵ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب ساتویں پشت میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی سے ملتا ہے۔ اور وہ یہ ہے! عبدالغنی بن شاہ ابوسعید بن صفی اللہ بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ بن سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔۔نسلاً فاروقی تھے اور تمام اوصاف ومحاسن سے متصف تھے، جو ان کے آباؤ اجداد میں پائے جاتے تھے۔ ان کے والد گرامی مولانا شاہ ابوسعید مجددی دہلوی دیارِ ہند کے بلند مرتبت علما وفقہا اور اصحاب طریقت وتصوف میں سے تھے۔ برادرِ کبیر مولانا شاہ احمد سعید مجددی دہلوی کا شمار بھی خطۂ ہند کے جلیل القدر اربابِ فقہ اور نامور صوفیا واتقیا میں ہوتا ہے۔ ان کا گھرانا علم وعمل اور فضل وکمال کا گھرانا تھا اور بڑے بڑے فضلا ان کے حلقے میں شامل ہونے اور ان کی صحبت اختیار کرنے کو موجبِ فخر وشرف قرار دیتے تھے۔

شاہ عبدالغنی نے کچھ ہوش سنبھالا تو قرآن مجید حفظ کیا، پھر مولانا حبیب اللہ دہلوی سے

صرف ونحو اور علوم عربی کی کتابیں پڑھیں ۔اس کے بعد حصول حدیث وفقہ کی طرف عنان توجہ مبذول فرمائی۔حدیث کی تحصیل مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی سے کی۔
مؤطا امام محمد اپنے والد گرامی شاہ ابوسعید سے پڑھا اخذ طریقت بھی انہی سے کیا۔مشکوٰۃ کا درس شاہ رفیع الدین دہلوی کے فرزند گرامی شاہ مخصوص اللہ سے لیا ۔۱۲۴۹ھ میں عازم حج ہوئے اور حج وزیارت کا شرف حاصل کیا۔اس زمانے میں سرزمین حجاز میں مولانا محمد عابد سندھی اور شیخ ابوزاہد اسماعیل رُومی کا غلغلہ درس حدیث بلند تھا۔شاہ عبدالغنی نے ان کی خدمت میں حاضری دی اور سندِ حدیث سے مفتخر ہوئے۔بعدازاں اپنے وطن مالوف ہندوستان کو مراجعت فرمائی اور دہلی میں مسندِ حدیث آراستہ کی۔
تیرہویں صدی ہجری میں شاہ محمد اسحاق دہلوی کے دریائے فیض سے طویل وعریض نہریں جاری ہوئیں ،ایک سرِ عنوان بزرگ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے نام سے موسوم ہے! آگے چل کران سے فیض کے بے شمار چشمے پھوٹے ،جنہوں نے برِصغیر کے علاوہ دیگر ممالک اسلامیہ کو بھی سیراب کیا۔
شاہ عبدالغنی مجددی علم وعمل میں درجہ امامت پر فائز تھے،زہد وعبادت،صداقت وامانت عفت وصیانت،علم وتواضع ،اخلاص ودیانت اور ابتہال ورجوع الی اللہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ ہروقت دل پر خوفِ خدا طاری رہتا۔حدیث رسولِ پاک ﷺ کی محبت اور اتباعِ سنت کا جذبہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔حسن اخلاق کا پیکر تھے۔لوگوں کو ہر معاملے میں نفع پہنچانا اور اُن سے نیکی کا برتاؤ کرنا ان کا شیوہ تھا۔دنیا کے مال ومتاع سے کبھی تعلق نہیں رکھا۔وہ اس جہان گزراں میں فرشتہ سیرت عالم تھے۔
برصغیر پاک وہند میں انہوں نے علم حدیث کی تدریس وترویج میں بے پناہ خدمت

انجام دی۔ وہ گوشہ گیر بزرگ تھے اور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر درسِ حدیث دیتے تھے۔ ان سے بے شمار علما نے کسب علم حدیث کیا اور پھر وہ اس علم کی اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ بنے۔ ان کے تلامذہُ حدیث کے وسیع حلقے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحلیم انصاری لکھنوی کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں علوم حدیث کے جو مراکز دکھائی دیتے ہیں انکی نسبتِ قیام جن بزرگوں کی طرف جائے گی، ان میں شاہ عبدالغنی کے اسمِ گرامی کو ہمیشہ خاص حیثیت حاصل رہے گی۔

شاہ عبدالغنی مجددی جس دور میں دہلی میں مشغولِ تدریس حدیث تھے، اسی دور میں ۱۸۵۷ء کا حادثۂ ہائلہ پیش آیا، قمری اعتبار سے وہ ۱۲۷۳ھ تھا۔ شدید خوں ریزی کے بعد انگریزوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا اور دہلی کے گلستانِ علم اُجڑ گئے۔ حضرت شاہ صاحب کا رُوح پرور مدرسہ بھی انگریزوں کی دست بُرد کی نذر ہو گیا۔ علمائے ہند کے لیے بالخصوص یہ نہایت ابتلا کا وقت تھا۔ یہ بوریہ نشین مسجدوں اور مدرسوں میں علومِ اسلامی کی جو خدمت انجام دے رہے تھے، اس میں قدم قدم پر رُکاوٹیں پیدا ہونے لگیں اور یہ ملک اپنی اِنتہائی وُسعت کے باوجود ان کے لیے تنگ ہو گیا۔ علمائے دین حالات سے مایوس اور وقت کی آندھیوں سے دل برداشتہ ہونے کے کبھی عادی نہیں رہے، لیکن یہ انقلاب وتغیر کی ایسی سنگین لہر تھی کہ اس میں بعض حضرات کے لیے آگے چلنے کے راستے بالکل مسدود ہو گئے تھے۔ ان کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ اس ملک سے جس میں اُنھوں نے قال اللہ وقال الرسول کی دل نواز صدائیں بلند کرنے میں عمریں کھپادی تھیں، ہجرت کر جائیں اور اس کی سکونت ترک کر کے ارضِ حجاز کو اپنا مسکن بنالیں۔

چنانچہ اس ہنگامۂ دارو گیر میں شاہ صاحب ممدوح نے دہلی کو خیر باد کہا اور حجاز کی راہ لی۔ پہلے مکہ معظمہ گئے، اس کے بعد مدینہ منورہ کا قصد کیا اور پھر وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کے برادرِ کبیر مولانا شاہ احمد سعید مجددی دہلوی نے بھی اسی کے نتیجے میں اہل وعیال سمیت مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ حضرت شاہ عبدالغنی کا عمر بھر ایک ہی مشغلہ رہا اور وہ تھا درس علمِ حدیث ....! مدینہ منورہ میں بھی اسی خدمت میں مصروف رہے۔ جس طرح دہلی میں طلبائے حدیث کا ہجوم ان کے گرد رہتا تھا، اسی طرح مدینہ طیبہ میں بھی شائقین حدیث کا بہت بڑا گروہ ان کے درس میں جمع ہو گیا۔ اس گروہ میں ہندوستان کے طلبا بھی شامل تھے اور حجاز، نجد، یمن، عراق، ترکی، خراسان، ماوراء النہر اور دیگر ممالک اسلامیہ کے بھی۔۔! واضح الفاظ میں کہنا چاہیے کہ دہلی کی نسبت مدینہ منورہ میں ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد زیادہ تھی اور ہر ملک کے طلبائے حدیث کھنچے ہوئے ان کے درس میں شامل ہوتے تھے۔(۱)

مشہور تلامذہ

(۱) مولانا محمد قاسم نانوتوی حنفیؒ (۲) رشید احمد گنگوہی حنفیؒ (۳) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن حنفیؒ (۴) خلیل احمد سہارن پوری حنفیؒ (۵) احمد علی سہارن پوری حنفیؒ (۶) عبدالحلیم انصاری لکھنوی (۷) حضرت العلامہ مولانا المفتی عزیز الرحمٰن بن مولانا فضل الرحمٰن (۸) حضرت مولانا احمد حسن بن اکبر حسین امروہوی حنفی متوفی ۱۳۳۰ھ (۹) مولانا محمد احسن بن حافظ لطف علی بن حافظ محمد حسن نانوتوی حنفیؒ متوفی ۱۳۱۲ھ

---

(۱) از فقہائے پاک وہند۔

(١٠) مولانا محمد مظہر نانوتوی حنفی ١٣٠٢ھ (١١) مولانا خلیل احمد بن شاہ مجید علی انبھٹوی حنفی ١٣٤٦ھ (١٢) الشیخ الفاضل العلامہ عبد الحلیم بن امین اللہ لکھنوی حنفی متوفی ١٢٨٥ھ۔

(٧) مولانا احمد علی سہارن پوری حنفی

یو پی کے شہر سہارن پور کی خاکِ مردم خیز سے تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی میں جن حضراتِ علما نے جنم لیا اور فضل وکمال میں شہرتِ دوام حاصل کی ان میں ایک مولانا احمد علی سہارن پوری کا نام خاص طور سے لائق تذکرہ ہے، وہ انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سنِ ولادت تقریباً ١٢٢٥ھ (١٨٠٨ء) ہے۔

مولانا احمد علی کی ابتدائی عمر کھیل کُود اور کبوتر بازی میں گزری۔ پڑھنے لکھنے کی طرف مطلق توجہ نہ تھی۔ ایک روز مولانا سعادت علی فقیہ سہارن پوری نے جن کا سہارن پور میں معرکہ دُرس جاری تھا، ایک شخص کے ذریعے ان سے چند الفاظ کے معانی پوچھے اور ایک مسئلہ دریافت کرایا۔ احمد علی اس وقت سولہ سترہ سال کے تھے اور کبوتر اڑانے میں مشغول تھے۔ سائل ان کے گھر آیا، آکر آواز دی اور مولانا سعادت علی فقیہ کی ہدایت کے مطابق سوالات کیے۔ احمد علی کوئی جواب نہ دے سکے، کیوں کہ انہیں کسی چیز کا علم ہی نہیں تھا۔ اس پر سائل نے کہا۔ تم ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہو، لیکن علم سے محروم اور کبوتر بازی میں مشغول ہو۔ یہ بات تمہیں زیب نہیں دیتی۔ اس سے ان کے دل پر چوٹ لگی، سب مشغلے چھوڑ دیئے گھر سے نکلے اور میرٹھ جا پہنچے۔ وہاں اٹھارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

میرٹھ سے سہارن پور آئے، وہاں چند کتابیں مولانا سعادت علی فقیہ سے پڑھیں۔ صحیح

بخاری کا اکثر حصہ مولانا وحید الدین صدیقی سہارن پوری سے پڑھا۔ سہارن پور سے کاندھلہ گئے اور مفتی الٰہی بخش سے استفادہ کرنے لگے۔

مفتی صاحب ممدوح کی وفات کے بعد کاندھلہ سے دہلی کا عزم کیا۔ وہاں مولانا مملوک علی (متوفیٰ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ / ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے طویل عرصے تک وہاں قیام رہا اور مولانا مملوک علی سے خوب استفادہ کیا۔ قیام دہلی کے زمانے میں حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی (مہاجر مکی) بھی وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ حاجی صاحب موصوف نے اس دور میں مولانا احمد علی سے گلستان پڑھنی شروع کی تھی۔

اس کے بعد مولانا مملوک علی اور مولانا احمد علی ۲۶ رجب ۱۲۵۹ھ / ۲۴ اگست ۱۸۴۳ء کو دہلی سے مکہ معظّمہ کو روانہ ہوئے اور یکم ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ / اواخر دسمبر ۱۸۴۳ء کو مکہ معظمہ پہنچے اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

اس سے کچھ عرصہ پیشتر دیار ہند کے ممتاز نامور محدث حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی (متوفی ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ) جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے اور تلمیذ تھے، اپنے بھائی مولانا محمد یعقوب دہلوی (۲۷ ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ) کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں اقامت گزین ہو گئے تھے اور وہاں جا کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ مولانا احمد علی نے شاہ محمد اسحاق کے حلقۂ درس میں شمولیت کی۔ وہاں مولانا احمد علی کا معمول یہ تھا کہ فجر سے ظہر تک حدیث کی قلمی کتابیں نقل کرتے اور ظہر کے بعد شاہ محمد اسحاق کی مجلس درس میں حاضر ہوتے۔

اس طرح ان سے صحاح ستہ کی تکمیل کی اور سند واجازت سے بہرہ مند ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے واپس آئے تو دہلی میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا اور حدیث کی قلمی کتابوں کی تصحیح وتحشیہ

میں مصروف ہو گئے، ان کی طباعت واشاعت کے لیے مطبع احمدی کے نام سے ایک مطبع قائم کیا۔ صحیح بخاری، جامع ترمذی اور مشکوٰۃ کی تصحیح کی اوران کے حواشی لکھے۔ صحیح مسلم کی بھی تصحیح کی اور اسے پہلی مرتبہ شرح نووی کے ساتھ شائع کیا۔

سنن ابی داؤد کے کئی نسخے سامنے رکھ کر صحیح نسخہ تیار کیا، جسے ان کے شاگردِ خاص مولانا محمد حسین فقیر دہلوی نے بہت اہتمام سے شائع کیا۔ مولانا احمد علی سہارن پوری کا بہت بڑا علمی کارنامہ صحیح بخاری کی تصحیح اوراس کا حاشیہ ہے۔ یہ خدمت اُنھوں نے نہایت محنت اور کاوش سے انجام دی۔ متعدد علمائے کرام سے اس میں مدد لی اور دس سال سے زیادہ عرصہ اسمیں صرف کیا۔

اس کی طباعت کا آغاز ۱۸ جمادی الآخر ۱۲۶۴ھ/۲۳ مئی ۱۸۴۸ء کو سرسید احمد خان کے بھائی سید عبدالغفور کے مطبع سید الاخبار میں ہوا۔ اس پریس میں صرف ایک سو چوراسی صفحات چھپے تھے کہ مولانا نے طباعت کا کام اپنے مطبع احمدی میں منتقل کرلیا۔

پھر اس سے آگے کے صفحات سے دونوں جلدیں مطبع احمدی سے شائع ہوئیں۔ جلد اول کی طباعت ۲۷ رجب ۱۲۶۷ھ/۱۵ مئی 1815ء کو مکمل ہوئی اور جلد دوم ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء کو تکمیل کو پہنچی۔ اس ایڈیشن کے کل تین سو پچیس نسخے شائع ہوئے اور فی نسخہ بارہ روپے خرچ آئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی مطبع احمدی میں ملازم تھے اور تصحیح کا کام کرتے تھے۔

صحیح بخاری کے آخری پانچ پاروں کا حاشیہ مولانا احمد علی نے مولانا محمد قاسم نانوتوی سے لکھوایا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مطبع عبدالغفور دہلی سے محرم ۱۲۷۲ھ/ستمبر، اکتوبر ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا۔ اس طباعت کے بعد بھی مولانا احمد علی نے صحیح بخاری کی تصحیح کی اوراس پر نظر ثانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ پہلی طباعت میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں، ان کی تصحیح اور

بعض مقامات پر حواشی میں کچھ اضافہ کیا۔ اہم اضافہ رجال کے انساب اور کنیتوں میں ہوا۔ اس نسخے کی طباعت ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں شروع ہوئی اور ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں تکمیل کو پہنچی۔

صحیح بخاری کی اشاعت اول کے خاتمۃ الطبع میں مولانا ممدوح نے صحیح مسلم کی طباعت کا کام شروع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی طباعت جلد مکمل ہوگئی ہو، لیکن یہ ایڈیشن تھوڑے عرصے میں نایاب ہوگیا تھا، اس ایڈیشن کے ختم ہونے کے بعد صحیح مسلم کا دوسرا ایڈیشن مولانا محمد حسین فقیر اور شیخ ظفر علی کے اہتمام میں مطبع افضل المطابع شاہدرہ دہلی سے شائع ہوا۔ مولانا ممدوح نے جامع ترمذی کی تصحیح بھی کی اور اس پر حاشیہ لکھا۔

مولانا کی تصحیح وتحشیہ کے ساتھ ترمذی کا پہلا ایڈیشن ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں مطبع العلوم دہلی سے اشرف علی واسطی کے اہتمام سے چھپا۔ دوسرا ایڈیشن رمضان ۱۲۸۲ھ جنوری ۱۸۶۶ء کو مولانا کے اپنے پریس مطبع احمدی دہلی میں شائع ہونا شروع ہوا، اور ۱۲۸۳ھ رنومبر ۱۸۶۶ء میں تکمیل کو پہنچا۔

حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ پر بھی حاشیہ انہوں نے لکھا اور بڑی محنت سے اپنے پریس مطبع احمدی دہلی میں اسے چھاپا۔ لیکن اس کے باوجود انہیں ہمیشہ اس بات کا افسوس رہا کہ مشکوٰۃ کی پوری خدمت نہیں ہوسکی۔ مشکوٰۃ کا پہلا ایڈیشن کب شائع ہوا۔ اسکے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ دوسرا ایڈیشن مطبع احمدی دہلی سے ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء میں شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن مفت تقسیم کرنے کے لیے شائع کیا گیا تھا۔ اس کی پہلی جلد کے سرورق اور صفحہ اول پر جلی حروف سے ''الوقف للہ الکریم'' اور دوسری جلد کے متعدد صفحات پر الوقف چھپا ہوا ہے۔

کُتبِ حدیث کی تصحیح اور حواشی کے علاوہ ان کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ بھی ہے جو بہت سے اہم علمی اور فقہی مسائل پر مشتمل ہے۔ انکی ایک مستقل تصنیف بھی ہے جس کا نام ''الدليل القوى علىٰ ترك قراة المقتدى'' ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے جو مولوی محمد شاہ لدھیانوی کے اصرار پر لکھی گئی۔ اس میں امام کے پیچھے مقتدی کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں علمائے احناف کا نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب شعبان ۱۲۷۰ھ/مئی ۱۸۵۴ء میں مطبع احمدی دہلی سے شائع ہوئی۔ بعض احباب کے اصرار سے خود مصنف علام نے اس کا اُردو ترجمہ کیا۔ ترجمہ اسی نام سے رجب ۱۲۶۵ھ/جولائی ۱۸۷۸ء میں مطبع رحیمی واقع سرائے نواب علی محمد خان سے شائع ہوا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (رمضان ۱۲۷۳ھ) تک مولانا احمد علی دہلی میں اقامت گزیں رہے۔ قیام دہلی کے دوران اُنہوں نے بہت سی اہم کتابوں کی تصحیح کی اور اُنہیں اپنے پریس مطبع احمدی سے شائع کیا۔ کتابوں کی تصحیح اور اشاعت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

جنگ آزادی میں جب دہلی پر آفت ٹوٹی اور مطبع احمدی لُٹ گیا تو مولانا اپنے وطن سہارنپور آگئے اور گھر میں طلبا کو درس حدیث دینے لگے۔ دو برس سہارن پور میں قیام رہا۔ اس کے بعد میرٹھ جا کر شیخ الٰہی بخش کے ہاں ملازم ہو گئے۔

شیخ الٰہی بخش اور شیخ عبد الکریم دو حقیقی بھائی تھے اور شیخ مدار بخش کے بیٹے تھے۔ موضع اربن ضلع الٰہ آباد (یو پی) کے ایک نومسلم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ مدار بخش الٰہ آباد کی سکونت ترک کر کے میرٹھ آگئے تھے اور یہاں تجارت اور ٹھیکے داری شروع کر دی تھی جس میں بہت ترقی ہوئی۔ پشاور سے کلکتے تک تمام چھاونیوں

میں ضروری سامان پہنچانے کا ٹھیکہ شیخ الٰہی بخش اور شیخ عبدالکریم کے پاس تھا۔ کلکتہ اور اس کے اطراف کی چھاونیوں میں سامان بھجوانے کی ذمے داری اور اس نواح اطراف میں شیخ الٰہی بخش کے کاروبار کی نگرانی مولانا احمد علی کے سپرد تھی۔

اس سلسلے میں دس سال سے زیادہ عرصے تک کلکتہ میں قیام رہا۔ شیخ الٰہی بخش کی اجازت سے نماز فجر سے لے کر نو بجے تک مولانا موصوف مسجد خیر الدین میں طلبا کو حدیث کا درس دیتے تھے۔ درسِ حدیث کا سلسلہ اُنہوں نے ہر جگہ جاری رکھا۔ کلکتے میں قیام اور ملازمت کے دس سال بعد مولانا احمد علی اور شیخ عبدالکریم حج کے لیے گئے۔ اس زمانے میں حضرت حاجی امداداللہ مکہ معظّمہ میں سکونت پذیر تھے، وہ مولانا کی اس ملازمت کو پسند نہ کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ ملازمت ترک کر کے تمام وقت درسِ حدیث میں صرف کریں۔

چنانچہ مولانا موصوف اور شیخ عبدالکریم کی ملاقات حاجی امداداللہ صاحب سے ہوئی تو اُنہوں نے صاف لفظوں میں مولانا سے ملازمت چھوڑ دینے اور اپنے آپ کو درسِ حدیث کے لیے وقف کر دینے کی تلقین فرمائی۔ یہ بھی کہا کہ آپ میرے استاد ہیں، دہلی میں مولانا مملوک علی نے میرا گلستان کا سبق آپ کے سپرد کیا تھا۔

مولانا احمد علی نے حضرت حاجی صاحب کی بات توجہ سے سنی اور فرمایا کہ آپ حرم شریف میں میرے لیے دعا فرمائیں۔ اس سے کچھ عرصہ بعد یعنی ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں مولانا احمد علی ملازمت چھوڑ کر کلکتے سے سہارن پور آ گئے۔ اور گھر میں درسِ حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا، جس سے کثیر تعداد میں اہل علم مستفید ہوئے اور حلقۂ درس روز بروز بڑھتا گیا۔

اس سے آٹھ سال قبل رجب ۱۲۸۳ھ/نومبر ۱۸۶۷ء کو سہارن پور میں ایک مدرسہ قائم ہو

چکا تھا، یہ وہی مدرسہ ہے جس کے منصبِ اہتمام وتدریس پر مولانا سعادت علی فقیہ فائز تھے اور جس کو ۱۲۹۶ھ میں مولانا احمد علی نے مدرسہ مظاہر علوم کے نام سے موسوم کیا اور آج تک بہتر طریقے سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

مدرسہ مظاہر العلوم کو شروع ہی سے مولانا احمد علی کا تعاون حاصل تھا۔ وہ اس کے تمام معاملات سے واقف اور اس کی تدریسی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔ نقد روپے کی صورت میں اس کی امداد بھی کرتے تھے جو ایک سو روپے سے تین سَو روپے سالانہ تک ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ درسی کتابیں بھی دیتے اور طلبا کی وظائف اور طعام وغیرہ کی شکل میں معاونت کرتے تھے۔

مولانا موصوف ۱۲۹۱ھ میں کلکتے سے سہارنپور آئے، ایک سال تو گھر پر ہی درس دیتے رہے۔ لیکن ۱۲۹۲ھ سے باقاعدہ مدرسے میں سلسلۂ تدریس شروع کیا۔ مدرسے کے طلبا اور ارکانِ انتظامیہ اس سے نہایت خوش ہوئے اور ان کی تشریف آوری سے طلبا کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ ۱۲۹۲ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم میں جو پڑھائی ہوئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صحیح مسلم دو دفعہ پڑھائی گئی، سنن ابوداؤد کا بھی تکرار ہوا۔ صحیح بخاری ایک بار مکمل کر کے گیارہ پارے مزید پڑھے گئے۔

جامع ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، موطا امام محمد، جامع صغیر، ترجمہ قرآن مجید، تفسیر جلالین وغیرہ کی تدریس مکمل ہوئی۔ شمائل ترمذی اور مقدمہ ترمذی کی تکمیل ہوئی۔ احیاء علوم الدین کا ایک ربع پڑھا گیا، درمختار صفحہ ۳۲ تک اور شرح مُلا صفحہ ۳۳ تک پڑھی گئیں۔ قدوری پوری پڑھی گئی۔

مدرسہ مظاہر علوم کے پہلے مدرس و مہتمم مولانا سعادت علی فقیہ کی وفات (۱۲۸۶ھ

۱۸۶۹ء) کے بعد سے منصبِ اہتمام خالی تھا۔ مولانا احمد علی کے سہارن پور تشریف لانے کے بعد مدرسے کے جلسۂ عام میں اتفاق رائے سے یہ منصب ان کے سپرد کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند سے بھی مولانا احمد علی کا خاص تعلق رہا۔ دارالعلوم دیوبند کے دَورِ آغاز کے بہت سے ارکان اور اساتذہ ان سے نسبتِ شاگردی رکھتے تھے۔ دارالعلوم کی سب سے پہلی عمارت کا سنگِ بنیاد بھی انہی کے ہاتھ سے رکھا گیا۔ دارالعلوم کی ۱۲۹۲ھ کی روداد میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اول پتھر بنیاد کا جناب مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا اور بعد میں جناب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ و مولانا رشید احمد و مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نے ایک ایک اینٹ رکھی۔(۱)

برصغیر پاک و ہند کے علمائے احناف میں مولانا احمد علی سہارن پوری فاضل اجل، متقی و پارسا اور فقیہ ذی مرتبت تھے۔ علم حدیث کے مختلف گوشوں پر ماہرانہ نظر رکھتے تھے۔ منکسر المزاج اور متواضع تھے۔ امامت وخطابت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ خدمتِ حدیث کے لیے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ خاموشی کے ساتھ مسجد میں جاتے اور باجماعت نماز پڑھ کر واپس گھر آجاتے۔ اپنی موجودگی کا کبھی کسی کو احساس نہیں کرایا۔ گھر کے کام خود کرتے۔ کسی کو تکلیف دینا اور اپنی ذات کے لیے کچھ کہنا ان کی عادت نہ تھی۔ بازار سے خود سودا خرید کر لاتے۔ کوئی شاگرد یا دوسرا آدمی کام کے لیے اپنی خدمات پیش بھی کرتا تو اس کو تکلیف دینا پسند نہ فرماتے۔

---

(۱) ماخوذ از فقہائے پاک و ہند۔

مشہور تلامذہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے حلقۂ درس کو بڑی وسعت دی اور متعدد جید علمائے کرام ان کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے۔ان کے نامور تلامذہ سے مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جو اپنے علم وفضل اور گونا گوں اوصاف کی بنا پر خاص شہرت اور امتیاز کے مالک ہیں۔(۱) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۲) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۳) مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (۴) مولانا محمد مظہر نانوتوی (۵) مولانا عبداللہ انصاری امیٹھوی (۶) مولانا احمد حسن امروہی (۷) مولانا عبدالعلی میرٹھی (۸) مولانا احسن نانوتویؒ (۹) حضرت مولانا احمد حسن بن اکبر امروہی حنفی ۱۳۳۰ھ (۱۰) مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواری (۱۱) مولانا محمد علی مونگیری (۱۲) مولانا شبلی نعمانیؒ (۱۳) حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ (۱۴) شیخ الہند مولانا محمود الحسن وغیرہ مشاہیر علما ہیں۔

ارض برصغیر کے یہ عالم وفقیہ اور محدثِ شہیر ۱۲۹۷ھ کے شروع میں مرضِ فالج میں مبتلا ہوئے اور اسی مرض سے ۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ/۱۷اپریل ۱۸۸۰ء کو شنبہ کے روز سہارن پور میں وفات پائی۔بہتر سال عمر پائی۔(۱)

---

(۱) ~~ماخوذ از حیات بعد المماة~~ مقدمہ انوارالباری حدائق حنفیہ

(۸) شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر تھانوی مکی حنفیؒ

آپ کا اصل نام امداد حسین تھا جب شاہ اسحاقؒ کے ہاں تحصیل علم کے لیے گئے، تو شاہ صاحب نے نام دریافت فرمایا حاجی صاحب نے کہا کہ میرا نام امداد حسین ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ نام ٹھیک نہیں بلکہ امداد اللہ صحیح ہے۔ حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنا نام بدل کر امداد اللہ رکھ لیا۔

سید الطائفہ شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ ستمبر ۱۸۵۱ء کے دوسرے عشرے میں جب انگریزی افواج صدیوں تک مسلمانوں کا پایہ تخت رہنے والے تاریخی اور عظیم شہر دلی کو تاراج کر رہی تھیں اور دہلی کے کوچہ بازار میں خون کی ندیاں بہائی جارہی تھیں انہی دنوں ضلع سہارن پور کے قصبہ تھانہ بھون میں چند سرفروشانِ اسلام جمع ہوئے اور اللہ کے دین کی سربلندی اور آزادی وطن کی فکر میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور مسلح جہاد کے ذریعے انگریز کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کا تذکرہ ہونے لگا۔

اس عرصہ مسلمانوں کی کسمپرسی اور بے بسی کا اور بے سروسامانی کا بھی ذکر کیا گیا، لیکن توکل علی اللہ انگریز کے خلاف میدان جہاد میں کود جانے کا نعرہ لگا اور غزوہ بدر جیسے عظیم معرکے کا ذکر کر کے اپنی بے سروسامانی کو سنتِ نبوی ﷺ کا استحضار کیا گیا۔ جس سے چند مٹھی بھر نوجوانوں کو ایمانی غیرت کا احساس ہوا اور بالآخر جنگ بدر کی تاریخ دہرانے کا عزم کیا گیا۔ سب مجاہدین نے بالاتفاق ایک ولی کامل کو اپنا امیر منتخب کر کے ان کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔ جسے دنیا سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے نام سے پکارتے ہیں، سوشاملی کا وہ تاریخی معرکہ برپا ہوا جس کا تذکرہ آج بھی اہلِ

ایمان کے دلوں کو گرماتا ہے۔

ولادت:

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ ۲۲صفر ۱۲۳۳ھ / جنوری ۱۸۱۸ء بروزِ پیر قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ننھیال نانوتہ میں تھی، لیکن آبائی وطن ضلع مظفر نگر کا مشہور قصبہ تھانہ بھون تھا۔ ابتدائی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا کئی حفاظ کرام کو استاد بنایا مگر کسی سے بھی قرآن پاک مکمل نہ کر سکے، بلکہ مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران قرآن مجید حفظ کیا۔

تعلیم

۱۲۴۹ھ میں صدر علوم شرقیہ دہلی کالج حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے ساتھ دہلی کا سفر کیا، تو اسی زمانے میں فارسی کی چند کتابیں اور صرف ونحو کا علم بھی حاصل کیا۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ نے شاہ محمد اسحاق دہلوی سے بھی چند کتابیں پڑھیں اور مولانا قلندر بخش حسینی جلال آبادی سے بھی پڑھا۔ گو علوم ظاہری کی آپ تکمیل نہ کر سکے لیکن اللہ جل شانہٗ نے یہ کسر علم لدنی عطا کر کے پوری کر دی۔ مولانا رحمت علی تھانوی سے آپ نے تکمیل الایمان کی قرأت اخذ کی اور عبدالرزاق جھنجھانوی سے مثنوی پڑھی۔ آپ کا شروع شروع میں شاہ اسحاقؒ سے علمی اور اصلاحی تعلق تھا، حضرت شیخ المشائخ نے شاہ اسحاقؒ سے ابتدائی علم حاصل کیا لیکن علوم متداولہ کی تکمیل نہ کر سکے۔

اُنیسویں صدی میں ملک وملّت جن ممتاز ترین اور عظیم المرتبت شخصیتوں پر فخر کر سکتی ہے، ان میں ایک مایۂ ناز شخصیت شیخ العلماء حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی شخصیت ہے۔ یہ

زمانہ ہندوستان اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کا ایک نہایت پُر آشوب دور تھا۔آپ سے اگرچہ تعلیمی سلسلہ نہیں پھیلا، مگر اصلاحی سلسلہ ہندوستان کے دیار میں کافی وسعت اختیار کر گیا۔

آپ نے علمائے دین کی اصلاح فرمائی اور ان کا رشتہ خالق حقیقی سے ملایا۔ چونکہ آپ شاہ نصیر الدین دہلوی، جو شاہ محمد اسحاق کے خلیفہ تھے، سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے اور شاہ نصیر الدین نے آپ کو بیعت فرمایا، لیکن تکمیل سے قبل ہی ان کا وصال ہو گیا۔ اسکے بعد اشارۂ غیبی کی بناء پر حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے ، اور سلسلہ اربعہ میں اجازت سے سرفراز ہوئے ۔جب آپ نے تصوف کی منازل طے کر لیں تو آپ حضرت نور محمد جھنجھانوی کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

آپ نے نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ کے فیوض کو چار چاند لگا کر ,ام کیا۔آپ کا فیض اتنا عام ہوا، جتنا آپ سے قبل سید احمد شہید کا فیض عام ہوا تھا۔ان کے دستِ حق پرست پر وقت کے جید علمائے کرام جیسے مولانا عبدالحی ، مولانا شاہ اسماعیل شہید اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ جیسے عظیم المرتبت علما نے بیعت کی ،اسی طرح حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کا فیض بھی عوام وخواص کے لیے عام ہو گیا۔

آپ کی نظر جس طرف پڑ جاتی ، وہ آپ کا والہ وشیدا ہو جاتا۔اکابر علما نے حاجی صاحب کے فیوض و برکات سے اپنے دامن بھر لیے ،اور پھر حضرت شیخ المشائخ اور ان کے وابستگان میں اتحاد اور باہمی دلی محبت کا وہ رشتہ قائم ہوا جو بہت کم دیکھا گیا۔

دیوبند کے جید علمائے کرام میں سے جن مقدس ہستیوں کو اولین درجہ کا احترام واعزاز حاصل ہے ،وہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مریدین حضرت مولانا محمد قاسم

نانوتویؒ ،مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ،مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ،شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ،مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ،مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ ،مولانا احمد حسن امروہیؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے اکابر علما اور یگانہ روزگار فضلا ہیں۔

ان کے مبارک نام اس سرزمین کے آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح روشن ہیں، جو تاریکی کے وقت صحراؤں میں مسافروں اور سمندروں میں ملاحوں کو راستہ بتاتے ہیں ،وہ اپنی زندگیوں میں علم وہدایت کے مشعل بردار تھے۔ وہ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے پاکیزہ عملی نمونے چھوڑ گئے، جو دلوں اور روحوں میں برابر دین حقہ کے ولولے پیدا کرتے رہے اور وہ بھی اپنے پیچھے ہزاروں معتقدین چھوڑ گئے، بلکہ ابھی تک ان کے سلسلے چل رہے ہیں آج ہم لوگ مزے سے ان کا نام لیکر جھومتے ہیں اور فخر سے ان کی مثالیں پیش کرتے ہیں ان کے فیض کی یہ ادنیٰ سی جھلک ہے کہ حقیقت میں ان کے تذکرے سے ایمان بڑھتا ہے۔

حضرت نانوتویؒ، گنگوہیؒ کی ایک یادگار دارالعلوم دیوبند ایسی یادگار ہے، جو تقریباً ڈیڑھ صدی سے علوم دین کے قیام اور بقاء کا ایک بہت بڑا سرچشمہ ہے یہ سرچشمہ آج بھی ہزاروں علما کو جنم دے رہا ہے۔ آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو جب بیعت کیا ،تو مولانا کہنے لگے کہ حضرت مجھ سے ذکر مشکل ہے، میں ذکر ہرگز نہیں کرونگا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے ذکر نہ کرو صرف ایک رات میرے ہاں گزار لو۔

جب حضرت گنگوہی نے رات کو قیام کیا ،تو نیند اڑ گئی ،ساری رات بستر پر لیٹے رہے اور سونے کی کوشش کی ،لیکن نیند نہ آئی۔ حضرت حاجی صاحب ساری رات قیام میں رہے ،وقت تہجد جب حضرت حاجی اپنے معمول کا ذکر کرنے لگے ،تو قطب ارشاد حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو خیال آیا کہ نیند تو آہی نہیں رہی کیوں نہ میں ذکر کرلوں۔آپ حاجی صاحب کے ہمراہ ذکر میں شامل ہو گئے۔بس وہ ذکر کی مجلس اختیار کی ،تو ساری زندگی ذکر نہیں چھوڑا۔

معرکہ شاملی:

مسلمانوں کی نوسو(900) سال کی حکومت پر آہستہ آہستہ انگریز قبضہ کرتے جارہے تھے اس عمل میں بہادری کا تو کہیں نام ونشان تک نہ تھا،لیکن دجل وفریب وسیسہ کاریاں ہی اصل الاصول تھیں۔حضرت حاجی صاحب نے ان حالات سے متاثر ہوکر روحانیت اورسیاست کے امتزاج سے ایک ایسی جماعت تیار کی جن کے قلوب آپ کے فیض سے جگمگا اُٹھے عوام وخواص علماء واولیاء سب ہی نے آپ سے فیض پایا۔علماء،صلحا کے اس گھنے باغ کو صرف علم وعرفان اور رشد وہدایت ہی سے لگن نہیں تھی بلکہ وہ بہادری اور جانبازی کے شہسوار بھی تھے۔اوراُنہوں نے اشداء علی الکفار کا عملی نمونہ بن کر دکھایا۔
گذشتہ ایک سو چھیالیس سالہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ معرکہ جہادِ شاملی کا تسلسل بالآخر تشکیلِ پاکستان اور حصول آزادی پر منتج ہوا۔سیاسی غلامی کی فضا میں ذہنی آزادی کو برقرار رکھ کر کامیاب جدوجہد سے ایک اسلامی مملکت کا قیام دنیا کی تاریخ میں ایک عجوبہ سے کم نہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سلسلہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو اس کا امام مقرر کیا گیا۔اورآپ نے چھ سات مہینے تھانہ بھون میں شرعی حکومت بھی قائم کی۔مگر بد قسمتی سے یہ تحریک کامیاب نہ ہوسکی او رقصبہ تھانہ بھون جو تحریک کا مرکز تھا

تباہ و برباد ہو گیا اور اس پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

ہجرتِ مکہ:

تھانہ بھون کی شرعی حکومت کی ناکامی کے بعد آپ نے ہجرت کا مصمم ارادہ فرما لیا اور عازم بیت اللہ ہوئے آپ نے اپنی زندگی کے آخری چالیس سال بیت اللہ کے پڑوس میں بسر فرمائے اور جارۃ الشاب میں اس مکان میں قیام فرمایا جہاں کبھی شیخ اکبر رہا کرتے تھے۔

مکہ معظّمہ میں آپ کا کام احباب ومتوسلین کی درخواست پر مثنوی پڑھانا تھا حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی قیامِ مکہ میں ہی آپ سے مثنوی پڑھی تھی۔

وہابی تحریک کی مخالفت

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تھانویؒ نے مکہ میں عبدالوہاب نجدی کی تحریک کی مخالفت بھی کی اور عملاً ردِ وہابیت کی تحریک میں پیش پیش تھے۔

وفات:

۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ/ ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۹ء بروز چہار شنبہ حضرت داعی اجل کو لبیک کہا اور جنت المعلیٰ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں مدفون ہوئے،

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً ومتعنا بفیو ضیعہ النافعہ۔

تلامذہ ومریدین:

(۱) محمد قاسم نانوتویؒ (۲) رشید احمد گنگوہی (۳) قاری شاہ محمد پھلواری (۴) پیر مہر علی شاہ (۵) محمد اشرف علی تھانوی۔

(۹) سید میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ (متوفی 1320ھ)

تاریخ پیدائش:

میاں صاحب ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں صوبہ بہار کے ایک گاؤں ''سورج گڑھ'' میں پیدا ہوئے۔ آپ اہل حدیث میں شیخ الکل کے لقب سے مشہور ہوئے۔ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے ''شمس العلماء'' کا خطاب ملا۔

تعلیم:

دہلی آکر میاں صاحب نے عبدالخالق دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی اور دوسرے استاد شاہ محمد اسحاق دہلوی حنفیؒ تھے اور غیر مقلدین کے طرز عمل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نواب قطب الدین تحفۃ العرب والعجم میں رقم طراز ہیں۔ ''اس وقت میں اور جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم اور مولوی محبوب العلی صاحب مرحوم اور مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم دہلی میں موجود تھے۔ اور یہ صاحب (میاں نذیر حسین) ایسے لوگوں (غیر مقلدوں) سے ناراض رہتے تھے۔

اور ان کے کلمات سن کر چہرہ سرخ ہو جاتا اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ ضال (گمراہ) ہیں۔ اور مولوی محبوب العلی صاحب ایسے لوگوں کو بہتر فرقہ کا ملغوبہ فرماتے تھے اور قلع قمع ان لوگوں کا بوجہ احسن کرتے تھے۔ اور مولوی عبدالخالق صاحب بھی ان کا ردوکد بوجہ احسن فرماتے تھے اور خوب ان کی گت کرتے تھے، فرماتے تھے کہ یہ لوگ چھوٹے رافضی ہیں۔ اس وقت میاں صاحب بھی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے رد میں سعی وبلیغ کرتے تھے۔

نواب صاحب مزید لکھتے ہیں:

”منجملہ ان کے سید نذیر حسین صاحب نے بھی اس فتنہ کے دفع کرنے میں بہت سعی کی کہ مولوی حقی اور عبدالمجید پوربی سے اس باب میں بہت گفتگو کر کے ان کو ساکت کیا، بلکہ اُن کے جواباتِ شکوک میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں امام صاحب کی بہت تعریفیں کیں اور حقیقت اپنے مذہب حنفی کی اور جواب مخالفین کے اور مرجوجیت غیر کی بیان کی اور رواۃ احادیث پر جو خلافِ احادیث متمسکہ مذہب حنفی کی ہیں، جرح وقدح بوجہ احسن فرما کر ان کو ضعیف جتایا اور بارہا اپنی زبان مبارک سے ان لامذہبوں کو رافضیوں کا بھائی کہا۔(۱)

ایک وقت تھا کہ میاں صاحب دل وجان سے احناف کا ساتھ دیتے تھے اور غیر مقلدین کا زبانی اور قلمی رد کرتے تھے۔

نواب صاحب لکھتے ہیں: اس بلا کے دفع میں سید نذیر حسین صاحب بجان ودل ہمارے ساتھ رہے حتیٰ کہ ”تنویر العینین“ کے مضامین کے رد میں جس کو لوگ منسوب مولانا اسمٰعیل کی طرف کرتے ہیں ایک رسالہ عربی میں مدلل لکھا۔ اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے نہ پڑھنے میں بھی ایک رسالہ لکھا۔ اور اخفاءِ آمین اور عدم رفع یدین وغیرہ میں بھی خوب خوب عبارتیں اور روایتیں لکھیں۔ اور لکھا کہ عدم رفع یدین نماز میں احق ہے اور رفع یدین منسوخ۔ اور مذہب حنفی کی بہت سی تعریفیں لکھیں، چنانچہ وہ اب تک میرے ایک دوست کے پاس موجود ہیں۔(۲)

---

(۱) تحفۃ العرب والعجم از محمد قطب الدین دہلوی ص ۳،۴۔

(۲) تحفۃ العرب والعجم ص ۵۔

اس وقت میاں صاحب دعویٰ سے کہہ سکتے تھے کہ مذہب حنفی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔
نواب قطب الدین مرحوم لکھتے ہیں: اور چونکہ سید صاحب اس فقیر سے نہایت محبت رکھتے تھے ہر جمعہ کو میرے ہاں آتے اور بارہا فرماتے کہ ہم اور تو کچھ جانتے نہیں ہم کو کوئی بتادے کہ فلانا مسئلہ حنفیہ کا خلافِ قرآن یا حدیث ہے۔ دیکھو تو ہم کیسا قرآن وحدیث سے ثابت کرتے ہیں۔(۱)

میاں صاحب نے ترکِ تقلید کیسے اختیار کی:

طالب علمی کے دور میں ہی میاں صاحب کے مزاج میں آزادروی کے آثار پائے جاتے تھے اسی لیے ایک موقعہ پر شاہ محمد اسحاق نے کہا تھا:
''اُس لڑکے سے وہابیت کی جھلک آتی ہے۔'' (۲)
پچاس سال کی عمر تک حنفی رہنے کے بعد اس وقت رنگ بدلا جب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جما چکا تھا، ابتداءً غیر مقلدین کی نشست میاں صاحب کے ہاں رہتی تھی، ان کے ہاں حلقہ جمتا تھا۔
''بعد غدر کے لامذہبوں نے یہ پیرایہ اختیار کیا کہ سید نذیر حسین صاحب کے پاس حلقہ باندھ کر بیٹھنا شروع کیا۔ کیا مسجد میں، کیا ان کے مکان پر، اور جب کوئی بات لامذہبی کی منہ سے نکالیں یا عمل کریں، تو حوالہ سید صاحب کا دے دیں، ہم لوگ ان کو جھٹلا دیں کہ تم جھوٹے ہو، وہ ایسے ہر گز نہیں ہیں۔........

---

(۱) تحفۃ العرب والعجم ص۶، ۷۔
(۲) الحیات بعد الممات۔ از فضل حسین ص۵۷۔

اور جو کوئی صاحب سید صاحب سے ان کا مقولہ کہے کہ وہ آپ کا حوالہ دیتے ہیں، تو سید صاحب یہی فرماویں کہ وہ جاہل ہیں، اُن کا کیا اعتبار؟

آخر نوبت بایں جارسید کہ اماموں پر اور ان کے اتباع پر کھلم کھلا تبرّے ہونے اور اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ کے مصداق لگے ٹھرانے۔'' (۱)

میاں صاحب کا ایک طرف احترامِ اساتذہ ملاحظہ ہو:

''بیانِ مسائل میں بھی انہیں بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے اور فرماتے ''ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں'' اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر کہہ دیتا کہ حضرات کا کہنا سند نہیں ہو سکتا، جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے، تو بہت خفا ہو کر فرماتے ''مردود! کیا یہ حضرات گھس کٹے تھے، ایسی ہی اڑان گھائی اڑاتے تھے۔'' (۲)

دوسری طرف ائمہ مجتہدین سے بے اعتنائی کا یہ عالم: ''آپ جب کوئی حدیث صحیح فرماتے اور کوئی شخص اس کے معارض کسی ائمہ مذہب کا قول پیش کر دیتا، تو برہم ہو جاتے۔ سُنو! یہ بزرگ ہم سے بڑے، میرے باپ سے بڑے، دادا سے بڑے، مگر رسولِ خدا سے بڑے نہیں۔'' (۳)

اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ ائمۂ مجتہدین ساری عمر گھاس کاٹتے رہے تھے، اسی لیے رسولِ خدا ﷺ کے فرمان کے خلاف احکام بیان کر دیتے تھے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

میاں صاحب کے اساتذہ شاہ محمد اسحاق مرحوم اور مولانا عبد الخالق مرحوم وغیرہ امام اعظم

---

(۱) تحفۃ العرب والعجم از نواب قطب الدین ص ۶۔

(۲) الحیات بعد الممات ص ۴۔

(۳) الحیات بعد الممات ص ۲۸۵۔

رحمہ اللہ کے مقلد اور حنفی تھے۔ پھر تو میاں صاحب نے کھل کر تقلید کا لبادہ اتار دیا اور غیر مقلدین کے امام کہلائے۔

نواب محمد قطب الدین لکھتے ہیں:

''لامذہبوں نے نہ مانا اور لامذہبی میں زیادہ مصر ہوئے اور نشست و برخاست سید صاحب کے پاس زیادہ رکھنے لگے اور سید صاحب کو ایسا ورغلایا اور اپنے ساتھ سانٹھا کہ سید بھی ان کی ممنونی ومشکوری میں لٹو بن کر ان کی حمایت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میں تو بیس، بائیس برس سے ایسا ہی تھا، پر کسی کو معلوم نہ تھا اور میں کیا کروں، مجھ کو تو یونہی سُوجھتی ہے۔(۱)

میاں نذیر حسین سر سید کی آبیاری میں:

میاں نذیر حسین دہلوی کو وہابیت اور ترکِ تقلید کی راہ پر لگانے میں سر سید کا بھی ہاتھ تھا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

''سر سید احمد خاں ایک ممتاز اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم آروی کو اپنے ایک مکتوب مورخہ ۱۰ فروری ۱۸۹۵ء میں لکھتے ہیں۔

جناب سید نذیر حسین دہلوی صاحب کو میں نے ''نیم چڑھا وہابی'' بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر اس کو سُنتِ ہدیٰ جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں، لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جناب ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جب گفتگو ختم ہوئی، میں نے

(۱) تحفۃ العرب والعجم از نواب قطب الدین ص ۶۔۷۔

سُنا کہ میرے پاس سے اُٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اُس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔(۱)

نواب محمد قطب الدین نے ''تنویر الحق اور توقیر الحق'' کے نام سے دو رسالے لکھے جن میں مذہب حنفی کو قرآن وحدیث اور اجماع کے دلائل سے ثابت کیا اور امام معین کی تقلید کی ضرورت کو واضح کیا۔ میاں صاحب نے ان کے جواب میں ''معیار الحق'' نامی کتاب لکھی:

''سو تنویر الحق کے جواب میں رسالہ ''معیار'' لکھا کہ اُس سے تمام مقلدین کیا، اولیا اور کبار علماء و صلحاء، متقدمین و متاخرین مشرک و بدعتی ٹھہرے، سید صاحب کی ذات سے بعید ہے کہ ایسے واہیات لکھیں اگرچہ اس کام سے وہ امصار و دیار میں ایسے بدنام و خوار ہوئے ہیں کہ حاجت بیان کی نہیں، پر اس کو بھی اُنہوں نے اپنا نام و نمود سمجھا۔ نواب صاحب ائمۂ مجتہدین کی راہ سے برگشتہ لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''افسوس صد افسوس! ان لوگوں سے کہ مذہبِ مجتہدین خیر القرون کا چھوڑ کر تابعداری غیر مجتہد نافہم اس زمانہ فساد انگیز کی کرتے ہیں اور زبان طعن کی اکابرِ دین پر دن رات جاری رکھتے ہیں۔ بیت

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

---

(۱) برگ گل از محمد ایوب قادری ص ۲۸۵۔۲۸۶۔

متفقہ فتویٰ انگریزوں کے خلاف جہاد پر دستخط کرنے سے انکار:

۱۸۵۷ء میں بعض مقتدر اور بہت سے علمائے کرام نے انگریزوں کے ساتھ جہاد کا فتویٰ دیا تو ''میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد'' نے نہ ہی اس فتویٰ پر مہر لگائی نہ دستخط کئے کیونکہ میاں صاحب انگریز حکومت کے وفادار تھے بہانہ اس پر یہ بنایا کہ میں نے جہاد کی شرائط نہیں پائی اس لئے نہ فتویٰ پر دستخط کروں گا نہ مہر لگاؤں گا۔

میاں صاحب کا ایک فتویٰ جہاد باعث ہلاکت ومعصیت:

فتاویٰ نذیریہ کی کتاب ''الامارہ والجہاد'' میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

میاں صاحب نے جواب دیا'' کہ جہاد فرض کفایہ ہے، مگر جہاد کی کئی شرائط ہیں جب تک وہ نہ پائی جائیں گی، جہاد نہ ہوگا۔''

پھر فرضیت جہاد کی چار شرائط بیان کیں اور آخر میں لکھا، کہ جب یہ بات بیان ہوچکی، تو میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں ان چار شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں، تو کیونکر جہاد ہوگا ہرگز نہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں! ہندوستان میں شوکت وقوت اور قدرت سلاح وآلات مفقود ہے ایمان وپیمان یہاں موجود ہے، پس جب شرط جہاد کی، اس دیار میں معدوم ہوئی تو جہاد کرنا یہاں سبب ہلاکت اور گناہ کا ہوگا۔(۱)

---

(۱) فتاویٰ نذیرہ کتاب الامارہ والجہاد۔

ہندوستان دارالامان:

فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

''ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب کبھی نہ کہا۔''(۱)

انگریز گورنمنٹ خدا کی رحمت:

میاں صاحب کے تلمیذ خاص اور سفرِ حج کے رفیق مولوی تلطّف حسین نے ایک موقع پر پاشا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

ہم مسلمان یہ کہنے سے معذور سمجھے جائیں کہ انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کے لیے اللہ کی رحمت ہے۔(۲)

حالتِ جنگ میں درس جاری رہا:

جن حضرات نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کسی طور پر بھی حصہ لیا۔ سقوطِ دہلی کے وقت ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی، لیکن میاں صاحب پورے اطمینان کے ساتھ درس و تدریس میں مصروف تھے۔ اگر اس جنگ میں ان کا کوئی حصہ ہوتا یا اُنہیں کسی قسم کا خطرہ دامن گیر ہوتا تو حالت دگرگوں ہوتی۔

میں (صدیق اخوند پشاوری) اور مولانا عبد اللہ غزنوی قدس سرہٗ آپ سے صحیح بخاری پڑھتے تھے اور صحنِ مسجد کے اوپر سے توپ کے گولے ونادن گذرتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن ایک گولہ حالت سبق میں آ کر گرا، مگر میاں نذیر نہ گھبرائے نہ ہراساں ہوئے، اور نہ صحیح بخاری کو بند کیا۔ اور جب تک انگریزوں نے دہلی کو فتح کر کے اہل دہلی کو نکال

---

(۱) الحیات بعد الممات ص ۱۴۱۔ (۲) ایضاً ص ۱۶۲۔

نہ دیا، آپ (نذیر حسین) نے جان کے خوف سے دِلّی نہ چھوڑی۔(۱)

کیا میاں کو تعریفی سر ٹیفکیٹ دیا گیا؟

میاں صاحب کو مسز لیسنس کی حفاظت کے بدلے میں نہ صرف نقد انعام ملا بلکہ تعریفی سر ٹیفکیٹ بھی جاری کیے گئے۔ ذیل میں ایک سرٹیفکیٹ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ بھی متعدد سرٹیفکیٹ وصول کئے گئے تھے:

دہلی: مؤرخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۷۷ء

از: ڈبلیو. جی واٹر فیلڈ اشیٹنگ کمشنر

مولوی نذیر حسین اوران کے بیٹے شریف حسین اور اُن کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے۔ حالتِ مجروحی میں انہوں نے ان کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں اُن کو پہنچا دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ان کی انگریزی سرٹیفکیٹس ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی، جل گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا بہت ہی قرین امکان ہے۔ غالباً ان کو جنرل نیوایل چیمبرلین، جنرل برنارڈ اور کرنل سائیٹر وغیرہم سے سرٹیفکیٹس ملی تھیں۔ مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ آنا اچھی طرح یاد ہے۔

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلہ میں مبلغ دوسو اور چار سو روپیہ ملے تھے، مبلغ سات سو

---

(۱) الحیات بعد الممات ص ۲۴۷۔

روپیہ بابت تاوان منہدم کیئے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کیئے گیئے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حُسن سلوک اور الطاف کے مُستحق ہیں۔ (۱)

شمس العلماء کا خطاب

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں جب میاں نذیر حسین دہلوی نے برٹش گورنمنٹ کا ساتھ دیا ،اور انگریزوں سے وفاداری کا حق ادا کیا۔اور علمائے حق کے متفقہ فیصلہ کے خلاف فتویٰ دیا تو پھر اس وقت کی کمپنی حکومت نے مولانا کو شمس العلماء کو عظیم خطاب عطا کر کے نام نہاد اہلحدیثوں پر احسان عظیم کیا۔ چونکہ اس یتیم مذہب کے کسی عالم کو ایسا خطاب مسلمانوں کی طرف سے نہیں ملا تھا ،اور نہ ہی آج تک ملا ہے ،اس بناء پر انہوں نے مسلمانوں کے ازلی دشمن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کرنے والوں کے ساتھ محبت کی پینگیں چڑھا کر ایسے القابات عطا کیا۔

انعام یافتہ وفادار:

دیگر علماء اہل حدیث کی طرح میاں صاحب بھی برٹش گورنمنٹ کے دل وجان سے وفادار تھے ،جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں پاس وفاداری کی خاطر حصہ لیا۔گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری (لوایلٹی) اس شہ سرخی کے تحت سوانح نگار لکھتے ہیں۔ (۲)

”حج کو جاتے وقت بھی جو چٹھی کمشنر دہلی وغیرہ نے میاں صاحب کو دی تھی ،اس کی نقل سفر حج کے بیان میں ہدیۂ قارئین کی جائے گی ،مگر اسی کے ساتھ یہ بتا دینا بھی ضروری

---

(۱) الحیات بعد الممات ص ۱۳۲۔۱۳۳/ص ۱۲۵۔

(۲) الحیاۃ بعد المماۃ از مولوی فضل حسین بہاری ص ۱۲۴۔

ہے کہ میاں صاحب بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے، زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا، تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مہر لگائی۔ وہ خود فرماتے تھے کہ "میاں وہ تو ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا....؟

حشرات الارض خانہ براندازوں نے تمام دہلی کو خراب کیا، ویران، تباہ اور برباد کر دیا، شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے، ہم نے اس فتویٰ پر دستخط نہیں کیا، مہر کیا اور کیا لکھتے؟ مفتی صدر الدین خاں صاحب چکر میں آ گئے۔ بہادر شاہ کو بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے، مگر وہ باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے؟

یہ وہ چیختے ہوئے حقائق ہیں جو خود بخود سب کچھ ظاہر کر رہے ہیں، واقعات کو توڑ مروڑ کر ان سے من مانے نتائج نہیں نکالے گئے۔ (۱)

مسلمانوں کی مخالفت اور انگریزوں کی حفاظت:

یتیم مذہب کے بانی اور انگریزوں کے وفادار مولوی نذیر حسین دہلوی نے اپنے اقوال واعمال سے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ وہ خالص مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی اور خصوصاً اسلام کے ثابت شدہ مسائل کی مخالفت کرنے والے بہادر انسان ہیں۔

چنانچہ اُس کا ایک معتقد ان کی تعریف کرتے ہوئے، رقم طراز ہے۔

عین حالتِ جنگ میں جبکہ بچہ بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا، اس وقت میاں نذیر حسین

(۱) از نعمان۔

بانیٔ مذھب غیر مقلدیت (نام نہاد اہل حدیث) نے انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے ایک زخمی میم مسز لیسنس کو اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے۔اس میم صاحبہ کو پناہ دی، اس کا علاج کیا، کھانا دیا، اس وقت ظالم باغیوں کو خبر بھی ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔

طرّہ اسپر یہ تھا کہ پنجابی کڑہ والی مسجد کو تغلباً باغی داخل کئے ہوئے تھے، اسی سے ملا ہوا میاں صاحب کا زنانہ مکان تھا اسی میں اس میم کو چھپائے رکھا۔

ساڑھ تین ماہ تک کسی کو یہ معلوم نہ ہوسکا، کہ حویلی کے مکان میں کتنے آدمی ہیں، تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا، تب اس نیم جاں میم کو جواب بالکل تندرست ہو چکی تھی انگریزی کیمپ پہنچا دیا۔(۱)

اس صلہ میں میاں صاحب، ان کے اہل خانہ کو مبلغ ایک ہزار تین سو روپے اور وفاداری کا سرٹیفکیٹ ملا، جس کی نقل بھی صاحبِ کتاب نے اپنی کتاب میں شائع کرائی۔ (۲)

اس ظلم کے باوجود بھی اگر یتیم مذہب کے بانی کو انگریزوں کو دشمن اور مجاہد عظیم قرار دیا جائے، تو یہ تاریخ کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

راوالپنڈی کی نظر بندی:

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر وفاداری کے باوجود میاں صاحب کو گرفتار کر کے ایک سال تک راولپنڈی میں نظر بند کیوں رکھا گیا؟

اس کا ایک جواب جو حقائق پر نہیں، بلکہ محض عقیدت پر مبنی ہے اور ”مریداں ہمی پرانند“

---

(۱) الحیاۃ بعد المماۃ از مولوی فضل حسین بہاری ص ۱۳۷۔ (۲) ایضاص ۱۲۷۔

کا مصداق ہے، یہ ہے:

آخر میں انگریزوں نے وہابیہ کے خلاف کاروائی میں، اہل حدیث کے امام کبیر اور اُنکے قائد وزعیم، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کی گرفتاری کا فیصلہ کیا، لیکن وہ اُن کی علمی ہیبت، بُلند مقام اور مسلمانوں میں اثر ونفود سے خائف تھے، اس لیے ان کے معاملے میں مجبور ہو گئے تا کہ مسلمان بھڑک نہ اُٹھیں اور قیامت نہ آ جائے، اس لیے کچھ عرصہ کی قید کے بعد اُنہیں رہا کرنا پڑا۔(۱)

لیکن حقائق کسی دوسری سمت اشارہ کررہے ہیں۔ سرِدست ایک سرٹیفکیٹ کا مطالعہ کیجئے جو حقیقت حال جاننے میں معاون ثابت ہوگا:

”مورّخہ: ۱۷ستمبر ۱۸۸۱ء

از: میجر۔ای۔ ینگ کمشنر

میں نے اس سرٹیفکیٹ کی اصل کو ملاحظہ کیا ہے (جو اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے) اور مسز لیسنس سے بھی مجھ کو حالات معلوم ہوئے ہیں جو اس میں مندرج ہیں، یہ امر قرین امکان ہے کہ مولوی نذیر حسین اور شریف حسین کے بیان کئے ہوئے حالات نے مخالفوں کو ان کا دشمن بنا دیا ہے۔“ (۲)

ساڑھے تین ماہ تک انگریزی میم کو پناہ میں رکھا گیا، اُس وقت تو مجاہدین کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، تاہم بعد میں یہ خبر چھپی نہ رہ سکی، اس لیے جنگ آزادی کے جیالوں کا برہم ہونا یقینی تھا۔

---

(۱) شیشے کے گھر۔ (۲) ایضا

دوسرا یہ ہے! کہ پنجاب کے انگریزی اقتدار میں آجانے کے بعد سرحد میں مقیم ''مجاہدین'' کو کاروائی کے ختم کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ انگریز کا مقصد پورا ہو چکا تھا اور اس حکم پر عمل کرانے کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے سرحد جانے والے چندہ پر پابندی لگادی گئی، اور تشدد اس قدر بڑھا کہ اہل سرحد کے ساتھ خط و کتابت رکھنے پر بھی مقدمے قائم کر دیئے گئے۔ اس ضمن میں میاں صاحب کی بھی مخبری کر دی گئی کہ یہ بھی سرحد والوں سے خط و کتابت رکھتے ہیں:

''میاں صاحب پر بھی مواخذہ ہوا جو صرف مخبروں کی غلط خبر رسانی اور اہل کاروں کی غلطی پر مبنی تھا اور آپ تا تحقیقاتِ کامل کم و بیش ایک برس تک راولپنڈی کی جیل میں نظر بند رہے۔ دہلی میں میاں صاحب کے مکان اور مسجد کی جب تلاشی ہوئی، تو دُوسروں (اہل سرحد) کے بھیجے ہوئے خطوط بہ تعداد کثیر، بے ٹھکانے دری پر، چٹائی پر، دری کے نیچے، چٹائی کے نیچے، چارپائی کے نیچے، کتابوں میں پائے گئے۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں اس قدر بہ کثرت خطوط کیوں آتے ہیں؟ آپ نے کہا کہ اس کی وجہ تو بھیجنے والوں سے پوچھنی چاہیے یا ان خطوط میں دیکھنا چاہیے۔''

خطوط دیکھے گئے ان میں کوئی ایسی بات نہیں ملی جس سے انگریز کی مخالفت یا حکم عدولی کا سُراغ مل سکے۔

''خطوط جو پڑھے گئے تو ان میں اس کے سوا کیا دھرا تھا کہ فتویٰ کا سوال ذیل میں درج ہے۔ حضور اس کا جواب جلد بھیج دیں۔ فلاں مسئلے میں کیا حکم ہے۔؟ وغیرہ وغیرہ''

ظاہر ہے ان خطوط میں انگریز دشمنی کا کوئی مواد نہ تھا، اس کے برعکس اس قسم کا کوئی فتویٰ مل سکتا تھا، پوچھا گیا کہ مولوی عبداللہ صاحب جو علاقہ ٔ خراسان میں ہیں، وہ امامِ وقت

ہیں یا نہیں؟ یہ عبداللہ صاحب ''مجاہدین کے امیر'' تھے۔ میاں صاحب نے جواب میں امام اکبر کی شرائط بیان کرنے کے بعد لکھا:

''اب میں کہتا ہوں کہ مولوی عبداللہ جو علاقہ خراسان میں ہیں بسبب فقدان شرط اول کے یعنی قریشی نہ ہونے کے امام نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ انصاری ہیں۔''

جب میاں صاحب، عبداللہ صاحب کو امام ہی تسلیم نہیں کرتے، تو ان سے ربط وضبط یا مالی امداد کیا معنی رکھتی ہے اور انگریز کو کھٹک کیوں باقی رہتی؟

''الغرض بعد تحقیقاتِ کامل یہ بات روزِ روشن کی طرح کھل گئی کہ ان پر مؤاخذہ محض نا جائز ہے اور یہ بالکل بری الذمہ ہیں، اس لیے رہا کر دیئے گئے۔''

یہ باتیں ہیں جو میاں صاحب کے ظاہر و باطن کے یکساں ہونے پر دلالت کرتی ہیں، وہ جس طرح غدر ۱۸۵۷ء میں مسز لیسنس کی جان بچانے سے وفادار ثابت ہوئے تھے اُسی طرح جس طرح ۶۵۔۱۸۶۴ء کے مقدمہ بغاوت میں بھی بے لگاؤ ٹھہرے۔

کہا جاتا ہے ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔'' (ترجمہ)

حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ میاں صاحب کے اہل حدیث سوانح نگار بھی اس جنگ کو غدر ہی قرار دے رہے ہیں، خود میاں صاحب۔ کہتے تھے:

''میاں وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔''

سفرِ حج اور کمشنر دہلی کی چٹھی:

۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں میاں صاحب نے حج کا ارادہ کیا اور اس خیال سے کہ مخالفین جس طرح ۱۸۶۴ء کے مقدمہ میں غلط بیانی سے اُلجھا چکے تھے، کہیں اس سفر میں بھی پریشان

نہ کریں، چنانچہ کمشنر دہلی سے مل کر یہ صورت حال بیان کی۔ کمشنر نے ایک چٹھی انہیں دی جو اُن کی وفاداری کا سرٹیفکٹ تھی اور وہ یہ تھی۔

''مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بہت بڑے مقتدر عالم ہیں، جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ وہ اپنے فرض زیارتِ کعبہ کو مکہ جاتے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے، وہ اُن کو مدد دے گا، کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط: جے ڈی ٹریملٹ بنگال

سروس کمشنر، دہلی و سپرنٹنڈٹ

۱۰/اگست ۱۸۸۳ء (۱)

ایک چٹھی مسٹر لیسنس بھی حاصل کی، جنگ کے دنوں میں جس کی میم کو گھر میں پناہ دی تھی:

''دوسری چٹھی مسٹر لیسنس نے بنام کونسل جدہ کے دی جسمیں آپ کی خیر خواہی زمانۂ غدر کا مفصل بیان تھا، اُنہوں نے یہ بھی جتادیا تھا کہ ان کے مخالفین بھی بہت ہیں اور ان میں سے بعض مکہ معظمہ میں یہاں سے بھاگ کر مقیم ہو گئے ہیں۔ مسٹر لیسنس نے یہ بھی استدعا کی تھی کہ برٹش گورنمنٹ کونسل کا فرض ہے کہ ان کو ان کے مخالفین کے شر و فساد سے بچائے۔ یہ چٹھی برٹش کونسل، مقیم جدہ (مکتوب الیہ) نے اپنے پاس رکھ لی۔

---

(۱) الحیات بعد الممات ص ۱۴۰۔

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۸۶۴ء میں مخالفین کی غلط مخبری کی بناء پر میاں صاحب پر مقدمہ قائم کیا گیا تھااوراب انگریز کا دل ان کی طرف سے مکمل طور پر صاف ہو چکا تھا۔

میاں نذیر حسین کے گھر میں انگریزی میم کی حفاظت:

اس میں شک وشبہ نہیں کہ میاں نذیر حسین دہلوی نے جنگ کے دنوں میں ایک زخمی میم کو جس کی عمر ۲۵/۲۶ سال کے قریب تھی کو اُٹھوا کر اپنے گھر لے گئے اور ساڑھے تین ماہ تک اسکی حفاظت کی ۔مرہم پٹی لگاتے رہے، جب اس کے زخم ٹھیک ہو گئے تو اس کو واپس اس کے خاوند کے پاس چھوڑ آئے،جس کا نام لیسنس تھا ۔ جس کے بدلے مسٹر لیسنس نے مولانا نذیر حسین دہلوی کو انعامات سے نوازا اور وفاداری کا سرٹیفکیٹ عطا کیا۔

شاگردی کی داستان:

میاں صاحب اپنے تلمذ کی داستان یوں بیان فرماتے ہیں۔

ایں عاجز....در ۱۲۴۳ھ درشاہجہاں آباد ...حاضرِ خدمت بودہ اقامت گزیں شدہ ... بخدمت مولانا عبدالخالق صاحب مرحوم حاضر بودہ طرح تحصیل علوم رسمیہ انداختم وبہ عرصہ سہ ونیم سال علوم رسمیہ را از مولوی جلال الدین حاحب مرحوم واز مولوی شیر محمد قندھاری مرحوم واز محمد سعید پشاوری مرحوم ومولوی عبدالخالق مرحوم حاصل کردہ وفراغت نمودہ بقصد تحصیل علم حدیث وفقہ ہمہ تن متوجہ شدم ودرس ششم از وقت اقامت دہلی (۱۲۴۸ھ) عقد مناکحت بستم ....ودرہماں سال ہمراہ مولوی عبداللہ سندھی ومولوی محمد گل کابلی ومولوی نورعلی متوطن سرداں وحافظ محمد فاضل سورتی وحافظ حاجی محمد مرحوم صحیح بخاری

بوقتِ صبح از جناب مولانا محمد اسحاق صاحب شریک شدم اکثر سامع بودم وکمتر قاری واز جناب مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم مع مولوی رحمت اللہ بیگ نیز صحیح بخاری آغاز کردم وجائے کہ شک وشبہ دریں جامی ماند علی الصباح در سبق نزد مولانا ممدوح مغفور حل آں می کردم آخر الامر درہفت ماہ نزد مولوی صاحب مرحوم ودر عرصہ نہ (۹) ماہ از مولانا مغفور ومرحوم کتاب مذکورہ باختتام رسید ودر صحیح مسلم ہمیں معاملہ روداد......وقت معتاد معہود من بخدمت مولانا صبح گاہ بود ومولوی یار علی صاحب ہم وطن من ومولوی قطب الدین خان مرحوم ومولوی علی احمد صاحب ہم وطنے کہ در ٹونک بہ دربار نواب وزیر الدولہ مرحوم برعہدہ میر منشی ممتاز اند بعد ظہر صحیح بخاری می خواندند ودر آں وقت یعنی بعد نماز ظہر حاضر نمی شدم وشریک شاہ نبودم...... ہرگاہ نزد مولانا مرحوم ہدایہ شروع شدند دریں دریں کتاب نواب صاحب مرحوم ومولوی بہاء الدین دکھنی ووالد ماجد قاضی محفوظ اللہ پانی پتی ومولوی قاری حافظ کرم اللہ مرحوم.....شریک ہدایہ شدند وایں عاجز ہم در ہدایہ شریک ایشاں بود بعد نصفے ہدایہ در جامع صغیر شریک شاں شدم ولیکن جامع صغیر پنج وشش جز خواندہ شد وایں عاجز کنز العمال علی متقی تن تنہا دوسہ جز از مولانا مرحوم خواندہ....در زمانے کہ مولوی محمد ابراہیم نگر ہنسوی دہلی آمدہ قدرے تفسیر بیضاوی وصحیح بخاری تمام نمودند من ہم شریک سماعت ایشاں بودم تمام وکمال آں شنیدم ولہذا مولانا مرحوم در سند من ارقام فرمودہ اند کہ **سمع منی الاحادیث الکثیرہ۔**(۱)

ترجمہ: مولانا عبدالخالق صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم رسمیہ کی تحصیل کا سلسلہ

(۱) الحیات بعد الممات ص ۴۸۔

شروع کیا اور ساڑھے تین سال میں جلال الدین صاحب مرحوم، مولوی شیر محمد قندھاری مرحوم، محمد سعید پشاوری مرحوم اور مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم سے حاصل کئے اور فراغت پا کر علمِ حدیث وفقہ حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور قیام دہلی کے چھٹے سال (۱۲۸۸ھ) میں میرا نکاح ہوا...... اور اسی سال مولوی عبد اللہ سندھی، مولوی محمد گل کابلی، مولوی نور علی متوطن سرداں حافظ محمد فاضل سورتی و حافظ حاجی محمد جونپوری مرحوم کے ساتھ مولانا محمد اسحاق صاحب کے پاس صحیح بخاری کے درس میں، جو صبح کو ہوتا تھا، شریک ہوا۔ میں اس درس میں اکثر سماعت اور کبھی کبھار قرأت بھی کرتا تھا۔ اس کے ساتھ مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم کے پاس بھی مولوی رحمت اللہ بیگ کے ساتھ میں نے بخاری شروع کی یہاں مولوی (عبد الخالق کے درس میں) جہاں شک وشبہ رہ جاتا تھا مولانا ممدوح ومغفور کے درس میں صبح اس شک وشبہ کو دور کر لیتا تھا۔ بالآخر مولوی عبد الخالق مرحوم کے پاس سات مہینے میں اور مولانا مرحوم ومغفور کے پاس نو مہینے میں صحیح بخاری ختم ہوئی۔ صحیح مسلم میں بھی درس کی یہی صورت رہی...... مولانا کے پاس درس کا وقت صبح مقرر ہو چکا تھا اور میرے ہم وطن مولوی یار علی صاحب اور مولوی قطب الدین احمد خاں مرحوم اور میرے ہم وطن مولوی علی احمد صاحب جو نواب وزیر الدولہ مرحوم والیٔ ٹونک کے دربار میں میر منشی کے عہدہ پر سرفراز ہیں۔ یہ لوگ مولانا سے صحیح بخاری بعد نمازِ ظہر پڑھتے تھے اور میں ان کے ساتھ شریک نہیں تھا۔ جب مولانا کے پاس ہدایہ شروع کی تو اس کتاب میں نواب قطب الدین صاحب مرحوم، مولوی بہاء الدین دکھنی اور قاضی محفوظ اللہ پانی پتی کے والد ماجد (مولوی صبغۃ اللہ) اور مولوی قاری حافظ کرم اللہ .. ہدایہ میں شریک ہوئے تو میں بھی ان حضرات کے ساتھ شریک ہوا۔ نصف ہدایہ تک

پڑھنے کے بعد میں جامع صغیر میں ان حضرات کا شریک ہوا لیکن جامع صغیر پانچ چھ جز ہی پڑھی گئی اور میں نے کنز العمال از علی متقی دو تین جز تنہا مولانا مرحوم سے پڑھی..... جس زمانے میں مولوی ابراہیم نگر ہنسوی نے دہلی آکر قدرے تفسیر بیضاوی اور کامل صحیح بخاری پڑھی۔ میں بھی ان کا شریک ہوگیا اور مکمل بخاری شریف کی سماعت کی۔ اس لئے مولانا مرحوم نے میری سند میں **سمع منی الاحادیث الکثیرہ** (مجھ سے بہت سی حدیثیں اس نے سنی ہیں) تحریر فرمایا۔

میاں صاحب کے بیان پر تنقید:

میاں صاحب کے اس بیان میں حسبِ ذیل امور تنقیح طلب ہیں۔

(۱) میاں صاحب نے شاہ صاحب سے اپنے آغازِ درس کا سال ۱۲۴۸ھ بتایا ہے۔ مگر دوسری جگہ(۱)

لکھا ہے کہ ''دوازدہ سیزدہ سال بہ صحبت مولانا فیض شدم'' حالانکہ ۱۲۴۸ھ کے بعد شاہ صاحب کے سالِ ہجرت (۱۲۵۸ھ) تک ''دوازدہ، سیزدہ سال'' نہیں ہوتے۔

(۲) بیک وقت دو اساتذہ سے ایک ہی کتاب کا درس لینا، درس گاہی تعامل ورواج کے بھی خلاف ہے اور بظاہر غیر ضروری بھی ہے۔ خصوصاً جبکہ (الف) ایک استاد (مولوی عبدالخالق) دوسرے (شاہ صاحب) کے شاگرد بھی تھے۔ (ب) مولوی عبدالخالق کے درس میں شکوک وشبہات بھی رہ جاتے تھے جو شاہ صاحب سے حل کرنا پڑتے تھے۔

(۳) میاں صاحب نے بخاری، مسلم، ہدایہ، جامع الصغیر اور تفسیر بیضاوی میں جن

---

(۱) الحیاۃ بعد المماۃ ص ۵۳۔

حضرات کو اپنا شریکِ درس بتایا ہے شہادت ان کے بجائے دوسرے دو حضرات شیخ محمد محدث تھانوی اور مولانا علی احمد سے کیوں دلوائی۔(ان دونوں نے جو شہادت دی ہے اس پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔)

(۴) ایک ہی کتاب (بخاری شریف) کے درس میں استادوں کے ساتھ ان کے شرکاءِ درس کیوں مختلف تھے؟ مولوی عبدالخالق کے یہاں صرف مولوی رحمت اللہ بیگ شریک تھے اور شاہ صاحب کے یہاں پانچ دوسرے حضرات۔

(۵) ہدایہ کے درس میں نواب قطب الدین خاں بھی میاں صاحب کے شریک تھے تو انہوں نے قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے یہ کیوں پوچھا تھا کہ ''اُنہوں نے (میاں نذیر حسین دھلوی نے) کِس زمانے میں شاہ صاحب سے پڑھا ہے؟''

(۶) جب اُنہوں نے کنز العمال پوری پڑھی تھی تو شاہ صاحب نے سند میں ''شیئاً من کنز العمال'' کیوں تحریر فرمایا؟

(۷) جب بخاری و مسلم پوری پڑھی تھیں تو شاہ صاحب نے سند میں ''اطرافاً من الصحاح الستة البخاری ومسلم'' کیوں تحریر فرمایا؟

(۸) اس بیان میں میاں صاحب نے ترمذی کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ مولانا عبد الحی حسنی سے ۱۳۱۲ھ میں اُنہوں نے شاہ صاحب سے ترمذی پڑھنے کا ذکر بھی کیا تھا(۱) اور مولوی فضل حسین بہاری نے بھی درس ترمذی کا ذکر کیا ہے۔(۲)

---

(۱) دہلی اور اس کے اطراف: از مولانا عبدالحی حسنی ص ۳۹۔

(۲) الحیاۃ بعد المماۃ ص ۷۵۔

شہادتِ تلمذ:

میاں صاحب نے اپنی نسبتِ تلمذ کی صحت کے لئے دو شہادتیں پیش کی ہیں۔ پہلی شہادت شیخ محمد محدث تھانوی کی ہے۔ محدث تھانوی اپنے ایک مکتوب مرقومہ ۱۲۹۲ء میں لکھتے ہیں۔(۱)

در ۱۲۴۸ھ می قدس اتفاق مخلص حاضری خدمت جناب استاذی استاذ الآفاق مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی قدس سرہٗ جہت تحصیل وحصول سند گرویدہ درآں زماں جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب حضور المناقب تحصیل علوم از جناب مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم ومغفور می کردند ہر روز الّا نادرًا حاضر خدمت عالی حضرت استاذ مولانا ممدوح می شدند وحل مشکلات فن حدیث وتفسیر وفقہ وغیرہ بخوبی می کردند مگر بچشم خود ندیدم کہ بدرس قرآۃ یا سماعتا درآں زماں بوقوع درآمدہ باشند مگر مرا بخوبی مسموع است کہ ہم پایۂ معائنہ است کہ سند اوشاں بمولانا بودہ است مگر اکثر اکتساب فن حدیث شریف درپیش خدمت مولوی عبدالخالق صاحب کردہ اندو سند جدید از پیش گاہ حضرت مولانا محمد اسحٰق قدس سرہ می دارند...... وقت رونق افروزی حرمین شریفین بتقریب ہجرت مسموع است کہ۔۔۔ براں یقین ست سند حوالہ مولوی سید نذیر حسین صاحب فرمودہ اندو مجاز گردانیدہ فقط بجہت ولاتکتمو الشہادہ ہرچہ مخلص بود بے کم وکاست وانمود آں کرم ہیچک واہم از جانب مولوی سید نذیر حسین صاحب اندریں باب نیارند مارا ہم ہمیں قدر اعتماد نسبت اوشاں است بے دغدغہ شبہ تلمذ اوشاں یعنی مولوی نذیر حسین صاحب پایۂ اعتبار

---

(۱) الحیاۃ بعد المماۃ ص ۳۶۔

بخوبی می دارد۔

ترجمہ: ۱۲۴۸ھ میں میری مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی قدس سرہ سے حصول سند کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا اس زمانے میں مولوی سید نذیر حسین صاحب مولوی عبدالخالق صاحب سے تحصیل علم کر رہے تھے اور کبھی کبھار کے ناغہ کے علاوہ روزانہ شاہ اسحٰق کی خدمت میں حاضر ہوتے حدیث وتفسیر وفقہ کے مشکل مسائل بخوبی حل کرتے میں نے اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا کہ میاں صاحب کے زمانے میں سبق پڑھنے یا سننے کے لئے آئے ہوں مگر اچھی طرح سنا ہے جو دیکھنے کے برابر ہے کہ میاں صاحب کے پاس شاہ صاحب کی سند ہے۔شاید انھوں نے فن حدیث زیادہ تر مولوی عبدالخالق صاحب سے حاصل کیا اور نئی سند شاہ اسحاق صاحب کی بھی ان کے پاس ہے......سنا ہے اور سنے ہوئے پر یقین ہے کہ شاہ صاحب نے ہجرت کر کے حرمین شریفین جاتے وقت مولوی سید نذیر حسین صاحب کو سند عطا فرمائی تھی اور مجاز کیا تھا ،بس لاتکتمو الشھادہ (گواہی کو نہ چھپاؤ) کے حکم کے مطابق جو کچھ مجھے معلوم تھا بے کم وکاست لکھ دیا آپ (مکتوب الیہ) مولوی نذیر حسین صاحب کی طرف سے اس (سند کے) باب میں کوئی وہم نہ رکھیں۔ہمیں بھی میاں صاحب کی نسبت اس قدر اعتماد ہے،مولوی نذیر حسین کا شاہ صاحب سے تلمذ شبہ سے بالاتر ہے اور معتبر ہے۔

تنقید:

محدث تھانوی نے اس شہادت میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے ہم نے یہ تاثر لیا ہے کہ ان کے نزدیک:۔

(۱) میاں صاحب کے مولوی عبدالخالق سے استفادہ کی نوعیت وہ تھی جس کو تحصیل علم اور درس سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) شاہ صاحب سے استفادہ کی نوعیت، عام استفادہ کی سی تھی جیسا کہ ایک شاگرد کا شاگرد اپنے استاذ الاستاذ سے خالی اوقات میں کسی بھی جماعت طلباء کے درس کے دوران سوالات کے ذریعہ استفادہ کر کے ان مسائل کی تحقیق کر لیتا ہے جن کو اس کا براہِ راست استاد نہ سمجھا سکا۔ محدث تھانوی نے مولوی عبدالخالق سے استفادہ کو تحصیل علوم سے اور شاہ صاحب کے استفادہ کو حاضری اور حل مشکلات سے تعبیر کیا ہے اور بڑی صفائی و دیانتداری سے لکھدیا ہے کہ اُنہوں نے میاں صاحب کو شاہ صاحب سے قرأۃً و سماعتاً درس لیتے ہوئے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہاں یہ بات سنی ہوئی ہے (اور حسن ظن اور قیاس علیٰ نفسہ کی بنا پر) گویا کہ دیکھی ہوئی، کہ شاہ صاحب نے ان کو سند دی تھی۔ گویا کہ سند بھی محدث تھانوی نے نہیں دیکھی تھی۔

مضحکہ خیز شہادت:

یہ عجیب شہادت ہے کہ شہادت دینے والا محض حسن ظن کی بناء پر شہادت دے رہا ہے اور شہادت دینے والے کے الفاظ پر غور کریں کہ سنا ہے آنکھوں سے نہیں دیکھا اور سنے پر یقین ہے۔

قارئین کرام آپ کا کیا خیال ہے ایسی انوکھی شہادت پر؟۔

دوسری شہادت مولوی سید علی احمد بہاری ثم ٹونکی کی ہے۔ یہ ایک خط ہے، جو مولانا حفیظ اللہ خاں صاحب کے خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔(۱)

(۱) الحیاۃ بعد المماۃ ص ۶۳۔

میاں صاحب کی سند حدیث:

از تحریر بعض محباں معلوم شد کہ بعض اہل علم وطلبہ را اشباہے پیدا شدہ است دریں باب کہ.... مولوی نذیر حسین صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ را سند کتب احادیث شریفہ از حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب....... حاصل است یا نہ بلکہ مولوی صاحب ممدوح سلمہٗ اللہ تعالیٰ بر زیارت وخدمت وصحبت حضرت مولانا مبرور نیز شرف شدہ......لہٰذا نوشتہ می شود کہ سند کتب احادیث شریفہ عطا فرمودہ حضرت مولانا...... بدست مولوی صاحب ممدوح موجود ست وحال خدمت وصحبت بر اہل شاہجہاں آباد خصوصا آنا نکہ در مجلس شادی کتخدائی مولوی صاحب ممدوح.....شریک بودند اظہر من الشمس است کہ مولانا مبرور......رونق افروز بودند وحاضر باشی مولوی سید نذیر حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بخدمت حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب طاب اللہ اثرہ بچشم خود دیدہ ام......بس شبہ عدم رویت وزیارت وہم محض است مکرر آں کہ تا آخرش ۱۲۵۰ھ ایں جانب نیز باشاہ جہاں آباد بود حاضر باش مولوی صاحب بخدمت مولانا صاحب می دید۔

ترجمہ: بعض احباب کے خطوں سے معلوم ہوا ہے کہ بعض علماء وطلبہ کو اس بات میں شک ہے کہ مولوی نذیر حسین صاحب کو حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سے سند کتب احادیث حاصل یا نہیں بلکہ (سرے سے) مولوی صاحب ممدوح کو حضرت شاہ صاحب کی زیارت خدمت اور صحبت کا شرف بھی حاصل ہے یا نہیں؟ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ کتبِ احادیث کی سند جو حضرت شاہ صاحب نے عطاء فرمائی ہے وہ مولوی صاحب ممدوح کے پاس ہے (جس کا جی چاہے دیکھ لے) اور شاہ صاحب کی خدمت اور صحبت

میں رہنے کا حال دہلی والوں خصوصاً ان لوگوں کو جو مولوی صاحب کی شادی میں شریک ہوئے تھے خوب معلوم ہے کہ مولانا شادی میں شریک ہوئے تھے اور مولوی سید نذیر حسین صاحب کی حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب کی خدمت میں حاضر باشی کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کے شاہ صاحب کے نہ دیکھنے اور زیارت ہی نہ کرنے کا شبہ تو نرا وہم ہے۔ مکرر یہ کہ ۱۲۵۰ھ کے اختتام تک میں خود دہلی میں موجود تھا اور مولوی صاحب کی شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر باشی کو میں نے خود دیکھا ہے۔

دوسری شہادت کا اعجوبہ اور اس پر تنقید:

مولوی علی احمد صاحب نے اپنے اس بیان میں اس سوال کو تو بالکل ہی ٹال دیا ہے کہ میاں صاحب کو شاہ صاحب نے سند بھی دی تھی یا نہیں؟ یہ کہہ کر گذر گئے ہیں کہ میاں صاحب سے سند لے کر دیکھ لو واقعی صاحب کی ہے یا نہیں۔ اور وہ سند کے متعلق اس سے زیادہ کوئی بات کہہ بھی نہیں سکتے تھے، اس لیے کہ عطاءِ سند ۱۲۵۸ھ میں بیان کی جاتی ہے اور مولوی علی احمد صاحب نے ۱۲۵۰ھ میں دہلی چھوڑ دی تھی۔

رہا یہ سوال کہ بعض لوگوں کے نزدیک میاں صاحب کو شاہ صاحب کی زیارت وصحبت ہی نصیب نہیں ہوئی تو اس کے جواب میں مولوی علی احمد صاحب نے شہادت دی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ میاں صاحب نے شاہ اسحاق صاحبؒ کی نہ صرف زیارت کی ہے بلکہ شاہ صاحب میاں نذیر حسین کی شادی میں شریک ہوئے تھے اور میاں صاحب کو شاہ صاحب کی خدمت میں آتے جاتے میں نے خود دیکھا ہے۔

معلوم ہوتا ہے میاں صاحب کے ادعائے خلافت کے جواب میں اس وقت کے کسی گروہ نے ضد میں سرے سے اسی کا انکار کر دیا تھا کہ میاں صاحب کو شاہ صاحب کا لِقا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اس گروہ کی زیادتی تھی جس کا مولوی علی احمد صاحب کی شہادت سے ازالہ ہو گیا۔ لیکن ہمارے زیر بحث مسئلہ یعنی میاں صاحب کے شاہ صاحب سے تلمذ کا اس خط سے کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ انکار کا ہی پہلو نکلتا ہے، کیونکہ موقع ومحل کا تقاضا یہ تھا کہ ہم صرف زیارت وصحبت کے نہیں تلمذ و تعلم کے گواہ ہیں۔ مگر وہ لکھتے تو جب کہ اُنہوں نے پڑھتے ہوئے دیکھا ہوتا۔ اُنہوں نے میاں صاحب کو اور شاہ صاحب کے آستانہ پر آتے جاتے دیکھا تھا اس کی شہادت دیدی۔

میاں نذیر حسین کی ناکام شہادت:

نتیجہ یہ نکلا کہ میاں صاحب نے شاہ صاحب کے تلمذ کے سلسلہ میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس میں جھول ہے۔ پھر اُن کے بیان اور شاہ صاحب کی مبینہ سند میں بھی مطابقت نہیں ہے۔ میاں صاحب نے اپنی حمایت میں جن دو متدین بزرگوں کو شاہد کی حیثیت سے پیش کیا ہے ان بزرگوں نے اپنے تدین ہی کی بنا پر آدابِ شہادت کو ملحوظ رکھا اور جو کچھ علم میں تھا بیان کر دیا۔ محدث تھانوی نے تو استفادہ کرتے اور مشکلات حل کرتے دیکھا تھا۔ اگرچہ باقاعدہ درس لیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، مگر مولوی علی احمد صاحب نے تو استفادہ کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا صرف آتے جاتے دیکھا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ چاہے میاں صاحب اپنے دعوے میں بجانبِ حق ہوں مگر وہ استدلال اور استشہاد میں ناکام رہے۔

میاں صاحب کی شہادت کے بارے میں رفقائے مدرسہ کی آراء

اب میاں صاحب کے تلمذ کے متعلق ان کے معاصرین اور رفقائے مدرسہ کی آراء ملاحظہ ہوں ۔قاری عبد الرحمٰن پانی پتی شاہ صاحب کے مشہور اور خاص شاگرد تھے ۔ مولف الحیات بعد الممات نے بھی اُن کا نام شاہ صاحب کے تلامذہ کی فہرست میں درج کیا ہے اور اُنہیں میاں صاحب کا بعض مواقع کا ساتھی (درس میں) لکھا ہے۔(۱) وہ لکھتے ہیں۔(۲)

''سید نذیر حسین اور حفیظ اللہ خاں صاحب کبھی کبھی مسئلہ پوچھنے کو یا کوئی لفظ جلالین کا پوچھنے کو جاتے تھے خدمت میں جناب مولانا محمد اسحاق صاحب قدس سرہٗ کی اور بوقتِ ہجرت ایک ایک حدیث پانچ چھ کتابوں کی میاں صاحب کوسُنا کر ایک پرچہ بطورِ سند کے لیا اور حفیظ اللہ خاں صاحب کوتو یہ بھی نصیب نہیں ہوا۔''

دوسری جگہ یہی بات دہرائی ہے۔(۳)

سید نذیر حسین صاحب نے کِس روز میاں صاحب سے پڑھا ہے؟ فقط ہجرت کے ایام میں بطمع اغوائے خلق کے ایک ایک حدیث، اوائل چند کتب حدیث کی سُنا کر ایک پرچہ سند کا لکھوا لیا۔ ممکن ہے وعظ میں کبھی جانا نصیب ہوا ہو اور کبھی کبھی تعطیل میں مسئلہ پوچھنے کو جاتے تھے۔

قاری صاحب نے اپنے انکار کے ساتھ نامور خواجہ تاش نواب قطب الدین خاں کا

---

(۱) حیات بعد الممات ص ۵۰۔

(۲) کشف الحجاب طبع لکھنؤ ص ۶۔

(۳) کشف الحجاب طبع لکھنؤ ص ۱۲۔

استفہام انکاری بھی نقل کیا ہے۔

"(میں نے) کبھی ان لوگوں کو (سید میاں نذیر حسین اور مولوی حفیظ اللہ) پڑھتے نہیں دیکھا بلکہ ایک مرتبہ قطب الدین خاں صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب اپنے تئیں میاں صاحب کا شاگرد بتاتے ہیں۔اُنہوں نے کس زمانہ میں میاں صاحب سے پڑھا ہے؟"

حیرت انگیز سوال :

نواب صاحب کا یہ استفہام بڑا حیرت انگیز ہے کیونکہ میاں صاحب نے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔نواب صاحب کو ہدایہ اور جامع صغیر میں اپنا شریکِ درس بتایا ہے۔ فرماتے ہیں۔اور نواب صاحب پوچھتے ہیں اُنہوں نے کس زمانہ میں میاں صاحب (شاہ اسحاق صاحبؒ) سے پڑھا ہے؟

از شریک شدن در ھدایہ از جناب مولوی صاحب مرحوم سلسلہ محبت و الفت و ارتباط وانبساط روز بروز دراز گردید۔ مولوی صاحب کے ساتھ ہدایہ میں شریک ہونے کے بعد الفت ومحبت اور شگفتگی ٔ تعلق خاطر کا سلسلہ دراز ہوگیا۔

مختصر یہ کہ میاں صاحب کے کسی رفیقِ درس نے ان کے تلمذ کی شہادت نہیں دی۔ مولوی علی احمد صاحب ،قاری عبدالرحمٰن پانی پتی ،نواب قطب االدین خاں وہ حضرات ہیں ،جنہیں میاں صاحب نے شرکاءِ درس یا رفقاءِ مدرسہ بتایا ہے۔مگر کسی نے بھی اُن کو شاہ صاحب سے پڑھتے نہیں دیکھا۔

میاں صاحب کے اصل استاذ حدیث:

ان سب بیانات کے پیش نظر ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ میاں صاحب کو حدیث وفقہ میں اصلاً اور باقاعدہ تلمذ تو مولوی عبدالخالق سے تھا مگر وہ ایک نیاز مند، معتقد شاگرد کے شاگرد اور ایک ذہین و محنتی طالبعلم کی حیثیت سے شاہ صاحب کی بزمِ درس وافتا کے حاضر باشوں میں سے تھے، اور ہر ہونہار طالبعلم کی طرح اگرچہ اُن کی دلی اور شدید خواہش ہوگی کہ وہ براہ راست شاہ صاحب کے تلامذہ کے حلقہ میں محسوب اور داخل ہوجائیں اور ایک بہتر اور اعلیٰ معلم سے منسوب و مستفید ہوں اور سند بھی عالی حاصل ہو۔

مگر قدیم درس گاہی نظام کی بے لچک روایات اور بعض مجبوریاں اس شوق وخواہش کی تکمیل میں حارج تھیں ۔عہد ماضی کے اساتذہ اپنی خواہش یا طالب علم کی گذارش کے باوجود ایسے طلبہ کو خواہ وہ کتنے ہی ہونہار، مستحق توجہ اور التفات طلب کیوں نہ ہوں ایسے حلقۂ درس میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے، جو اُن کے کسی دوست، کسی اُستاذ یا کسی شاگرد کے حلقۂ درس میں شامل ہو، یہ قدیم مدارس کی ایک روایت تھی اور اس روایت کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔

میاں نذیر حسین صاحب ابتدا سے مولوی عبدالخالق کے ممنونِ احسانات تھے، پھر وہ ان کے خویش بھی ہو گئے تھے اس لئے وہ شاہ صاحب کے حلقۂ درس کے شمول شدید خواہش کے باوجود نہ زبان سے اس خواہش کا اظہار مولوی عبدالخالق سے کر سکتے ہوں گے نہ شاہ صاحب سے کہنے کی جرأت ہوتی ہوگی، اور کسی وقت

کہہ بھی گذرے ہوں گے تو شاہ صاحب اپنے شاگرد مولوی عبدالخالق کے فضل وکمال کا بیان کر کے اُنہی سے منظم رہنے کا مشورہ دیا ہوگا۔

مایوس ہوکر میاں صاحب نے اس کا یہ عملی حل نکالا ہوگا کہ شاہ صاحب کے حلقہ ٔدرس میں غیر قانونی بے قاعدہ اور بالائے ضابطہ شرکت کا سلسلہ شروع کر دیا ہوگا، اور یوں مولوی صاحب کی لاج بھی رکھ لی۔ شاہ صاحب کی بات بھی مان لی اور اپنی خواہش بھی پوری کر لی اور کمی بھی رفع کر لی۔

مولوی عبدالخالق شاہ صاحب کے عزیز وسعید شاگرد تھے۔ ہم فکر و ہم مسلک بھی تھے۔ میاں نذیر حسین جنہیں بعد میں ایک نامور مدرس اور مستقبل کا محدثِ وقت اور ایک معرکہ ٔ آرا شخصیت بننا تھا اپنے عہد طالب علمی میں دہلی کے ایک ممتاز طالب علم ہوں گے۔ ان کے شہر میں ایک بین المدارسی حیثیت ہوگی۔

اس لئے جو لوگ قدیم اساتذہ کے طرزِ فکر اور ذہن سے واقف ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ شاہ صاحب کی نظر میں کیا ہوں گے۔ ان سے شاہ صاحب کو وہ اُنس بھی ضرور ہوگا جو ایک صحیح و شفیق معلم کو ایک بلانوش معلم سے ہوتا ہے۔ خود میاں صاحب شاہ صاحب سے قربت کے لئے بھی مساعی رہتے تھے۔

قاری عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ وہ شاہ صاحب کے سامنے خود کو ایک پُرجوش حنفی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔ مولوی علی احمد صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن اُن کے اور میاں صاحب اور ایک طالب علم کے درمیان شاہ صاحب کے سامنے ایک مسئلہ پر مباحثہ ہوگیا تھا اور شاہ صاحب سنتے رہے تھے ان واقعات وجذبات کی بنا پر شاہ صاحب نے میاں صاحب کو مولوی عبد الخالق سے رشتہ توڑنے اور ان کی

درسگاہ چھوڑ کر مدرسہ رحیمیہ میں چلے آنے کی اجازت تو یقیناً نہیں دی ہوگی مگر بے قاعدہ استفادہ اور بالائے ضابطہ شرکتِ درس سے باز نہ رکھ سکے ہوں گے اس لیے ان کو قرأت کی جرأت و اجازت نہیں ہوگی اور میاں صاحب جو کتابیں مولوی عبد الخالق سے پڑھے ہوں گے اُنہیں کتابوں کے درس میں شاہ صاحب کے یہاں بقول مولانا تھانوی ہر روز الّا نادراً حاضر ہو کر اپنی تشنگی فرو کرتے، اپنی معلومات بڑھاتے اور اپنی مشکلات حل کرتے ہوں گے۔

مختصر یہ ہے کہ اس طرح وہ اپنے شوق فراواں، جوش طلب اور ذہانت کے بل بوتے پر بیک وقت مسجد اورنگ آبادی اور مدرسہ رحیمیہ کے طالب علم ہوں گے اور یوں وہ شاہ صاحب کے شاگرد محسوب بھی ہوتے ہوں گے اور نہیں بھی اور آج بھی جب ہم اپنی علمی تاریخ کے اس سلسلہ پر غور کرنے بیٹھتے ہیں تو یہ کہے بغیر چارہ نہیں پاتے کہ وہ شاہ صاحب سے مستفید ہوئے ہیں۔ ان کے درس میں بیٹھے ہیں۔

اور اپنی طرف سے تو اُنہوں نے شاہ صاحب کے سامنے زانوتلمذ بھی تہ کرلیا ہے۔ سوالات کر کے اپنی تسکین کی ہے غیر درسی مجلسوں میں بھی بار ہا پایا ہے۔ تقلید و ترکِ تقلید کی بات چھڑ گئی ہے تو احناف کی طرف سے اپنے جوش و عصبیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اُنہوں نے ہم درس رفقاء سے مباحثہ کیا ہے جسے شاہ صاحب معلمانہ اور مربیانہ شفقت سے اور صلاحیتوں کے امتحان کے لئے سنتے رہے ہیں۔

پھر جب برسوں کے بعد شاہ صاحب ہجرت پر آمادہ ہوئے ہیں تو جہاں اور لوگوں نے اسناد حاصل کیں وہاں اُنہوں نے بھی درخواست کی جو منظور کرلی گئی اور شاہ صاحب نے اُنہیں سند عطا فرمادی۔ جس میں ''قرأمنی اطراف الصحاح ستہ'' کا جملہ چاہے قاری

صاحب کے اس قول کی تصدیق کرتا ہو کہ(۱)

ایک ایک حدیث اوائل چند کتب حدیث کی سنا کر ایک پرچہ سند لکھوالیا ہے۔

مگر ''شیاء مّن کنز العمال و الجامع الصغیر'' کے الفاظ میں اوائل کا مفہوم متبادر نہیں ہوتا بلکہ ذہن باقاعدہ درس کی طرف ہی جاتا ہے چاہے وہ چند جز کا ہی کیوں نہ ہو۔ الجامع الصغیر کے بعد ''وغیرھا'' بھی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ مذکورہ کتابوں کے علاوہ ایک دو اور کتابیں بھی جزاً یا کلاً پڑھی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قاری صاحب نے اس سند کا جس انداز سے ذکر کیا ہے وہ احادیث نبوی ﷺ کی روایات کے اس مقدس اجازت نامہ کے شایان شان ہے، نہ قاری صاحب کے، نہ شاہ صاحب کے۔

بہرحال میاں صاحب کو شاہ صاحب سے ایک نوع تلمذ کی نسبت یقیناً حاصل تھی اور شاہصاحب کے زمرۂ تلامذہ میں محسوب کیئے جاسکتے ہیں اور اب یہ طے کرنا ہے کہ کیا شاہ صاحب نے اُنہیں اپنا جانشین نامزد کیا تھا؟ اُنہوں نے اگرچہ فرمایا ہے کہ(۲)

دوازدہ سیزدہ(۳)

سال بہ صحبت مولانا فیضیاب شدم از منہ کثیرہ کے بجز من عاجز از شاگردان مولانا مرحوم میسر نہ شد دریں ازمنہ مذکورہ صدر فتاویٰ اتفاق تحریر رودادہ وخود مولانا مرحوم بنابر امتحان و

(۱) یہ سند لینے اور دینے کا کوئی انوکھا فعل نہیں تھا، پہلے سند تبرکاً لینے دینے کا عام رواج تھا۔ خود شاہ صاحب نے عمر بن عبدالرسول بن عبدالکریم مکی سے اوائل کی سند لی تھی۔(م نعمان) (۲) الحیات بعد الممات ص ۵۶:

(۳) یہ بارہ تیرہ سال میاں صاحب کی بھول ہے کیونکہ خود اُنہوں نے شاہ صاحب سے اولین رابط کی تاریخ ۱۲۴۸ھ بتائی ہے اور ۱۲۵۷ھ میں وہ ہجرت فرما گئے یہ کل آٹھ سال بنتے ہیں۔(نعمان)

نیز کارگذاری مستفتیان سوالہا بمن سپرمی فرمودند برائے تحریر جوابات۔

ترجمہ: میں بارہ تیرہ سال مولانا کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہوں اور طویل مدت تک صحبت میرے علاوہ مولانا مرحوم کے کسی شاگرد کو نہیں ملی۔اس طویل مدت میں صدہا فتاویٰ لکھنے کا اتفاق ہوا اور خود مولانا مرحوم میرے امتحان (فتویٰ نویس) اور فتویٰ پوچھنے والوں کا کام نکالنے کے لیے (آئے ہوئے) سوالات کے جوابات لکھنے کو میرے سپرد فرماتے تھے۔

عدم ثبوت خلافت:

اس عبارت میں اگرچہ خلافت (جانشین) کے بارے میں کوئی صراحت و دلالت نہیں، مگر ہم چشموں اور رفقاء شرکا میں اپنے امتیاز وتفوق اور آستانۂ شاہی میں اپنے تقرب کا جس انداز سے بیان ہے۔ممکن ہے وہی معتقدین کے لئے اس گمان کا موجب ہوا ہو کہ یہ التفاتِ خاص اور یہ ''تکالیف'' جانشینی کی تربیت کے لئے تھیں۔چنانچہ اُن کے سوانح نگار جناب فضل حسین بہاری لکھتے ہیں کہ جب شاہ اسحاق نے ہجرت کی تو اُن کے مشاہیر تلامذہ ملک میں موجود تھے لیکن!

''مولانا کے واقعی اور حقیقی جانشین اور مولانا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے مسندِ درس کا مالک باوجود بے انتہا مخالفت اور مزاحمت کے مولوی سید نذیر حسین کے کوئی اور نہ ہو سکا یہاں تک کہ ''میاں صاحب'' کا لقب جو مولانا شاہ ولی اللہ کے خاندان کے واسطے مخصوص تھا اور بسلسلۂ جانشینی منتقل ہوتا ہوا مولانا شاہ محمد اسحاق تک پہنچا تھا وہ مولوی سید نذیر حسین کے ساتھ اس طرح چسپاں ہو گیا کہ اب ''میاں صاحب'' اور نذیر حسین

گویا دو مترادف لفظ ہوتے ہیں۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔(۱)

مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ محدث دہلوی کے خاندان کے سردار کو دِلّی والے ''میاں صاحب'' کہتے تھے۔

''مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمۃ جب ہجرت کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے اور ان کی جگہ ان کے روحانی بیٹے مولانا سید نذیر حسین علیہ الرحمۃ نے لے لی اور مسندِ درس و ارشاد پر متمکن ہوئے تو اُن کو بھی لوگوں نے میاں صاحب ہی کے نام سے پکارا۔ کیونکہ جناب شاہ صاحب (عبدالعزیز) کی اولاد میں کوئی باقی نہیں رہا تھا۔''

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:(۲)

''بالآخر جن کے حقیقی جانشین تھے اُن ہی کی سرزمین پر مرنے اور گڑنے کو ترجیح دی۔''

مندرجہ بالا عبارتیں صرف ایک صاحب اور ایک کتاب سے نقل کی گئی ہیں۔ افسوس ہے ہمیں ان حضرات کے ادبیات کے مطالعہ کا موقع بہت کم ملا ہے اور اس سلسلہ میں زیادہ تفحص اور مزید حوالوں کی ضرورت یوں بھی نہیں ہے کہ اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے کہ یہ حضرات میاں صاحب کو شاہ صاحب کا جانشین سمجھتے تھے اور ظاہر کرتے تھے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ چنانچہ حال ہی میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی فرماتے ہیں۔ ولھا ھاجر الشاہ محمد اسحاق الیٰ الحرمین الشریفین ۱۲۵۸ھ عقبہ خلف خلیفۃ لہٗ فی اشاعۃ العلوم الحدیثیۃ علماً عملاً۔

---

(۱) الحیاۃ بعد المماۃ۔

(۲) اتحاف البینہ ص ۲۸۔

جب شاہ محمد اسحاق حرمین شریفین ہجرت فرما گئے تو میاں نذیر حسین اپنے علم وعمل کی وجہ سے علوم حدیث کی اشاعت میں ان کے خلیفہ ہوئے۔

غیر مقلدین کی خوش فہمی:

الحاصل یہ ہے کہ اہل حدیث حضرات آج تک میاں صاحب کو شاہ صاحب کا جانشین ثابت کرتے رہے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ شاہ صاحب کے دوسرے تلامذہ ان کی جانشینی کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ مگر خلافت تو فرع ہے تلمذ کی اور وہ حضرات جب تلمذ ہی میں کلام کرتے ہیں تو ان کے نزدیک خلافت کے تحقق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

میاں نذیر حسین کا لالچ:

میاں نذیر حسین دھلوی نے شاہ اسحاقؒ سے سوال کیا کہ آپ دھلی کو خالی کر کے جا رہے ہیں اپنا جانشین نامزد کر دیں۔ حالانکہ یہ سوال نواب قطب خان وغیرہ مستقل شاگردوں کو پوچھنا چاہئے تھا تو وہ حضرات بوجہ کسر نفسی یا عاجزی کے نہیں بولے اور نہ ہی وہ خلافت چاہتے تھے نہ ہی سوال کیا لیکن جن کو بڑا بننے کا لالچ تھا تو انہوں نے بے دھڑک مسلسل دو دن سوال کیا اور حضرت شاہ صاحب سے بے عزتی کروا کر خاموش ہو گئے چنانچہ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی لکھتے ہیں:

قطب صاحب میں نذیر حسین صاحب نے اپنے خسر کے پردے میں خلافت و جانشینی کی درخواست کی، جواب سخت سن کر نا اُمید ہوئے۔ اس عبارت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

"تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب نواب قطب الدین صاحب میں جناب مولانا محمد اسحاق صاحب نے ہجرت کے وقت چار روز توقف کیا۔ رؤسائے دہلی بھی بطور رخصت کے

وہاں پر تھے رئیسوں میں مولوی سید نذیر حسین صاحب نے عرض کیا۔ آپ دہلی کو اہل علم سے خالی کئے جاتے ہیں۔ کسی کو اپنی جگہ اپنا جانشین فرمادیویں۔ اپنے شاگرد خاص سے جیسے مولوی عبدالخالق صاحب جو ایک شاگر دِ قدیم ہیں۔ اور مولوی عبدالخالق صاحب بھی موجود تھے یہ سمجھا ہوگا کہ مولوی صاحب تو ضعیف ہیں۔ شاید مجھے اپنا خلیفہ فرمادیں گے۔ میاں صاحب نے غصہ سے فرمایا کہ کونسی خدمت بادشاہی کی میں رکھتا تھا جو اپنا جانشین کر جاؤں۔ سید نذیر حسین صاحب خاموش ہورہے۔ دوسرے دن پھر اسی مجمع میں عرض کیا کہ آپ کے بعد ہم کس سے پڑھا کریں۔ فرمایا جو لائق ہوگا وہ پڑھادے گا۔ پھر رئیس دہلی بھی سید نذیر حسین کے معین ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ کے بعد ہم کو کچھ شک ہوا کرے تو کس سے پوچھا کریں تو فرمایا قطب الدین خاں اور عبدالرحمٰن کو ہم نے حدیث پڑھادی ہے اگر حاجت ہوا کرے تو اُن سے پوچھ لینا جب سید نذیر حسین نے جواب نامرادی کا سُنا، نا اُمید ہو کر چپ ہورہے۔"

خلافت کا کھوکھلا دعویٰ:

ہماری رائے بھی یہی ہے کہ شاہ صاحب کی طرف سے میاں صاحب کی خلافت کوئی تحریر، کوئی اعلان، یا زبانی گفتگو میں کوئی اشارہ تک منقول نہیں ہے۔

جو سند حیات بعد الممات میں طبع ہوئی ہے نہ صرف یہ کہ اس میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں ہے بلکہ اعطاءِ سند کا جو واقعہ خود میاں صاحب نے بیان کیا ہے اگر من وعن صحیح بھی ہو تو بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ مولانا آزردہ کو سند دیتے وقت ان کا بھی خیال آگیا اور اُنہیں بھی سند لکھ کر دیدی۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ جس شخص کو اس طرح سند دی جارہی ہے اس

کے متعلق سند دینے سے زیادہ کسی اور بات کا تصور تو کبھی آہی نہیں سکتا ۔ جس شخص کو جانشین بنایا جاتا ہے وہ عرصہ تک موضوعِ فکر ونظر رہتا ہے ۔ زیر تربیت رہتا ہے اور ماقبل خلافت کے اس کے حقوق مناصب پہلے ہی سے عطا کر دیے جاتے ہیں۔

میاں نذیر حسین اور انکی یک روزہ شاگردی:

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب نے حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب کا بیان نقل کیا ہے کہ جس روز حضرت شاہ محمد اسحاقؒ ہجرت کر کے حجاز روانہ ہوئے تو اس روز میاں نذیر حسین دہلوی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ،اور چند کتابوں کی اول کی ایک ایک حدیث پڑھی اور کل کتابوں کی اجازت حاصل کی۔حضرت شاہ صاحب نے چھوٹے کاغذ پر یہی واقعی لکھ کر دے دیا۔اس سے پہلے مدرسہ میں پڑھنے نہیں آئے (۱)

میاں صاحب اور انکی جانشینی کا معیار:

میاں صاحب شاہ اسحاق صاحبؒ کی جانشینی کے کم سے کم معیار پر بھی پورے نہیں اُترتے تھے۔ کیونکہ شاہ صاحب کی ہجرت کے وقت اُنہوں نے تدریس کا آغاز بھی نہیں کیا تھا جبکہ اُن کے تلامذہ کثیر تعداد میں تیس تیس برس سے درسِ افادہ میں مصروف ومعروف تھے۔خود انہی کے خاندان میں مولوی مخصوص اللہ اور مولوی محمد موسیٰ تھے،شاہ محمد عمر تھے، خصوصاً مولوی مخصوص اللہ نے شاہ عبدالعزیز کے وعظ میں قرآن مجید واحادیث نبوی کی تلاوت وقرأت کی تھی اور عرصہ سے مدرسہ رحیمیہ میں درس دے رہے تھے۔اس

---

(۱) مقدمہ انوار الباری حصہ دوم حاشیہ ص ۲۲۱۔

سلسلہ میں ایک خاص بات یہ ہے۔

کہ میاں صاحب یا اُن کے معتقدین کی طرف سے خلافت کا دعویٰ معلوم ہوتا ہے کہ ا۔

۱۲۹۰ھ میں کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس دعویٰ خلافت کے جواب میں جب اُن کے تلمذ ہی کو معرض اشتباہ میں ڈال دیا گیا تو اُن کی طرف سے اپنے تلمذ کے ثبوت میں جو تحریر شائع ہوئی تھی وہ بھی ۱۲۹۲ھ کو مکمل ہوئی ہے اور شہادت میں اپنے رفقائے مدرسہ کے بیانات حاصل کئے تھے وہ بھی ۱۲۹۲ھ کے لکھے ہوئے ہیں اور یہ وہ دور ہے جب خود شاہ اسحاق (۱۲۶۲ھ) میں اُن کے برادرِ خورد محمد یعقوب (۱۲۸۲ھ) میں مولوی محمد موسیٰ (۱۲۵۹ھ) مولوی مخصوص اللہ (۱۲۷۱ھ) مولوی عبدالخالق (۱۲۱۶ھ) غرض تمام خاص خاص تلامذۂ شاہی اور وہ سب لوگ جو جانشینی کے نسباً مستحق تھے اور جو ان کے دعوے کا سامنا کر سکتے تھے رخصت ہو چکے تھے۔ یہ بات خود اس کے دعوے کی صداقت کو مشتبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ پھر بھی جو حضرات زندہ تھے اُنہوں نے سامنا کیا اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی تو مقابل ہی آ گئے۔ مگر جن حضرات مولانا علی احمد اور شیخ محمد محدث کو میاں صاحب نے اپنا سمجھا تھا اُنہوں نے تدین وتقویٰ کا ثبوت دے کر بڑے ہی محتاط الفاظ میں حقیقت حال لکھ کر بھیجی۔

حلقۂ شاہی میں کوئی بھی کلیتاً ان کے ساتھ نہ رہا۔

نتیجہ کلام:

میاں صاحب حضرت شاہ اسحاق صاحب کے باقاعدہ شاگرد نہیں تھے۔ غیر مقلدین حضرات میاں صاحب مرحوم کو علمی جلالت قدر کو بہت اونچا دکھلانے کے لئے اس پر

بہت زور صرف کرتے ہیں کہ میاں صاحب مرحوم حضرت شاہ اسحٰق کے شاگرد بلکہ شاگردِ رشید تھے، اور حدیث وتفسیر ہر علم انہوں نے حضرت شاہ اسحاق صاحب محدث دہلویؒ سے حاصل کیا تھا۔ چنانچہ میاں صاحب کو حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ شاگرد ثابت کرنے پر مؤلف حیاۃ بعد المماۃ فضل حسین بہاری نے بھی بہت زور صرف کیا ہے، مگر اس بات کو ثابت کرنے کیلئے مولانا شیخ محمد فاروقی تھانوی شاگردِ حضرت شاہ اسحاق علیہ الرحمۃ کا جو خط نقل کیا ہے، خود اسی خط میں اس کی کافی تردید ہے کہ میاں صاحب حضرت شاہ اسحاق کے شاگرد تھے، اسی خط کی یہ عبارت دیکھئے:

"مگر بچشم خود نہ دیدم کہ بدرس قرأۃ وسماعتاً دراں زماں بوقوع درآمدہ باشند ص ۳۴"۔

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھ سے سبق میں موجود قرأۃ وسماعتا (نہ پڑھنے کیلئے نہ سبق سننے کے لئے) میاں صاحب کو کبھی نہیں دیکھا۔

نیز مولانا شیخ محمد تھانوی لکھتے ہیں:

اکثر اکتساب فن حدیث شریف در پیش خدمت مولوی عبدالخالق خسر خود کرد۔ ص ۳۴۔

یعنی حدیث شریف کا زیادہ تر علم اپنے خسر مولانا عبدالخالق سے حاصل کیا۔ اس صاف اور واضح عبارت کے بعد بھی اسی خط سے یہ ثابت کرنا کہ میاں صاحب مرحوم حضرت شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، نری دھاندلی زبردستی اور سینہ زوری ہے۔ کیا اتنے سے کہ کوئی کسی عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر اگرچہ یہ حاضر باشی روزانہ ہی کی ہو جو بات اس کو نہ سمجھ میں آئے اس کی تحقیق کرے وہ اس عالم کا شاگرد کہلائے گا؟۔ کتنے اہل علم وغیر اہل علم ہیں جو اپنے بڑوں کی خدمت میں روزانہ حاضر باش ہو کر ان

سے استفادہ کرتے ہیں کیا اس خارجی استفادہ سے کوئی شخص کسی کا باقاعدہ شاگرد کہلایا ہے؟۔

میاں نذیر حسین دہلوی بھی شاہ اسحاق علیہ الرحمہ کی مجلس میں روزانہ جا کر بیٹھا کرتے تھے اور جو بات اپنے خسر کے درس میں سمجھ میں نہیں آتی تھی یا اور جو دوسرے علمی اشکالات ہوتے تھے اس کو وہ ان سے حل کرتے تھے۔

ظاہر بات ہے اس سے کوئی بھی کسی کا باقاعدہ شاگرد نہیں کہلاتا۔

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ اپنی کتاب کشف الحجاب ص ۱۳ میں لکھتے ہیں سید نذیر حسین نے کس روز یہاں اسحاق محدث دہلوی کے پڑھا ہے۔

بہرحال غیر مقلدوں کی یہ نری زبردستی ہے کہ میاں نذیر حسین کو حضرت شاہ اسحاق کا شاگرد اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کا شاگرد بتلاتے ہیں اور اپنی علمی نسبت کو شاہ اسحاقؒ کے واسطہ سے اس جھوٹ کے ذریعہ بلند کرنا چاہتے ہیں۔ یہ محض ان کا ڈھونگ ہے اور خیالی دعویٰ ہے۔

یہ بھی زمانہ دیکھ لیا ہے
چور بنے ہیں چوکیدار

الحاصل شاہ محمد اسحاق نے اپنے سفرِ ہجرت کے وقت نہ میاں سید نذیر حسین کو اپنا خلیفہ بنایا نہ وہ اس وقت تک اس کے اہل ہی تھے یہ محض انکا خیالی دعویٰ ہے۔

شوریٰ کی تشکیل:

شاہ اسحاق کی خلافت پر اظہارِ خیال کرنے میں دوسرا نام مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا

ہے۔مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب نے جاتے وقت دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت میں مولانا قطب الدین دہلوی (۱۲۸۹ھ) مولانا مظفر حسین کاندھلوی (۱۲۷۳ھ) اور مولانا عبدالغنی دہلوی کوملا کر ایک بورڈ بنادیا۔

اعمال وعقائد:

میاں نذیر حسین نے جنگ آزادی کے دوران، جبکہ فرنگی سپاہی دہلی میں ہر گلی کوچہ کو پھانسی گھاٹ میں تبدیل کر چکے تھے، مجاہدوں کی یورشوں سے انگریزوں کو بچانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا نہ صرف یہ بلکہ اُنہوں نے مجاہدین کو جہاد سے باز رکھنے اور ان میں مایوسی پھیلانے کی ہرممکن کوشش بھی کی۔جیسا کہ ''حیوٰۃ بعد الممات'' کے بعض واقعات سے ظاہر ہے حتیٰ کہ میاں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا تحفظ اس قدر حاصل تھا کہ جس زمانے میں پورا شہر دہلی محصور اور قلعہ بند تھا، تو وہ آزادانہ طور پر دہلی کے گلی کوچوں میں گشت کرتے تھے۔

حیات بعد الممات میں درج ہے کہ عین حالت غدر میں جب ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہورہا تھا، میاں صاحب ایک زخمی میم کو رات کے وقت اُٹھوا کر اپنے گھر لے آئے اور اس کو پناہ دی، اس کا علاج کیا کھانا دیتے رہے۔طرہ اس پر یہ تھا کہ پنجابی کٹڑہ والی مسجد کو تغلباً باغی داخل کئے ہوئے تھے۔،اور اسی سے ملا ہوا میاں صاحب کا زنانہ مکان تھا اس میں اس میم کو چھپائے رکھا، اور ساڑھے تین ماہ تک کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کتنے آدمی ہیں۔تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن ہوگیا، تب اُس میم کو جو اب تندرست ہو چکی تھی، انگریزی کیمپ میں پہنچادیا۔جس کے صلہ میں میاں

صاحب اور اُن کے اہل خانہ کو مبلغ ایک ہزار روپیہ اور انگریزی سرکار سے وفاداری کے سرٹیفکیٹس ملے۔(۱)

میاں نذیر حسین فرنگی حکام کا نمائندہ:

درج بالا ان تمام واقعات کی روشنی میں میاں نذیر حسین اور اُن کی جماعت کو انگریزوں کا مخالف کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ جب ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں میاں نذیر حسین نے سفرِ حج کا ارادہ کیا تو اُن کو خیال پیدا ہوا کہ شاید مخالفین مکہ میں کوئی رکاوٹ پیدا کریں، چنانچہ اُنہوں نے اس ارادہ کا اظہار فرنگی حکمرانوں سے کیا۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد مولانا نذیر حسین نے چونکہ غدر میں ''مسز لیسنس'' کی جان بچائی تھی۔ اس لئے حکام سے تعلقات اچھے تھے کہ انہوں نے ڈپٹی کمشنر دہلی کے ذریعہ سے فارن آفس (دفتر خارجہ) میں سلسلہ جنبانی کی اور جدہ میں برٹش کونسل کے نام ایک سفارشی چٹھی بھجوائی جسمیں لکھا تھا کہ اُن کی حفاظت کی جائے، اور جو ضرورت اُنہیں پیش آئے حتی الامکان اس میں پوری طرح مدد کی جائے۔(۲)

میاں نذیر حسین نے ۱۰/اگست ۱۸۸۳ء/۱۳۰۰ھ کو کمشنر دہلی مسٹر جے ڈی ٹریملیٹ اور مسز لیسنس کے شوہر سے بھی سفارشی خطوط حاصل کئے جن میں لکھا تھا کہ مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ

---

(۱) حیات بعد الممات ص ۱۳۷۔

(۲) ابوالکلام کی کہانی ص ۱۱۹۔

جاتے ہیں، میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے وہ اُن کو مدد دے گا کیونکہ وہ کامل طور پر اس مدد کے مستحق ہیں۔(۱)

مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ہے کہ ہندوستان میں اُس وقت چونکہ تقلید اور عدم تقلید کا فتنہ زور پر تھا اور مولانا نذیر حسین غیر مقلدین کے سب سے بڑے شیخ سمجھے جاتے تھے۔اس لئے فوراً مکہ اطلاع دی گئی کہ جماعت وہابیہ کا سب سے بڑا سرغنہ آرہا ہے، اور عوام میں اس سے بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ساتھ ہی ساتھ مولانا نذیر حسین کی کتابوں اور فتاویٰ کے بعض مطالب کا عربی میں ترجمہ کر کے پیش کیا گیا۔(۲)

جامع الشواہد کی اشاعت:

میاں نذیر حسین کی سفر پر روانگی سے قبل یعنی ذیقعد ۱۲۷۸ھ میں غیر مقلدوں اور مقلدوں کے درمیان شہر دہلی میں جو میاں نذیر حسین کا ہیڈکواٹر تھا شدید تنازعہ پیدا ہو گیا۔ نزاع کی یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ دیوانی اور فوجداری عدالت میں مقدمات دائر ہوگئے۔میاں نذیر حسین نے اس سلسلہ میں کمشنر دہلی سے مدد چاہی اور کمشنر نے فریقین کے بعض افراد کو اپنی کوٹھی پر طلب کر کے باہم ملاپ اور دفع فساد کرانا چاہا۔

چنانچہ ۲۸رذیقعد ۱۲۹۸ھ کو ایک معاہدہ مابین فریقین ہوا، جس کی رو سے ایکدوسرے پر اعتراضات کا حق ختم کر دیا گیا اس معاہدہ پر فریقین میں موجود علماء، طلباء اور شہریوں

---

(۱) حیات بعد الممات ص ۱۴۰۔

(۲) ابوالکلام کی کہانی ص ۱۲۰۔

کے دستخط موجود تھے۔ دہلی کے عوام اہلسنت نے اس معاہدے کا مکمل احترام کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرلی۔ لیکن غیر مقلدوں نے اس معاہدے کو بڑی تعداد میں شائع کرا کے پورے ہندوستان میں تقسیم کیا۔ اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ معاہدہ نہیں فتویٰ ہے۔ جو فریقین کے علماء کے مشترکہ دستخطوں سے جاری ہوا۔

غیر مقلدوں کی یہ حرکت سوادِ اعظم کے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ خصوصاً دہلی کے علماء اہلسنت نے اس کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے ہندوستان کے علماء سے اپیل کی کہ وہ غیر مقلدوں کے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیں اور غیر مقلدوں کی مذہبی حیثیت مسلمانانِ ہند پر واضح کریں۔ علماء کی اس اپیل کا پورے ہندستان میں خیر مقدم کیا گیا اور متعدد کتابیں ورسالے ردِ وہابیہ میں شائع ہوئے۔

تنازع دہلی سے پیدا ہونے والی کشیدگی ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی کہ میاں نذیر حسین کے ارادۂ حج نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ایک مرتبہ پھر علماء اہلسنت کمر بستہ ہوگئے۔ ادھر مکہ مکرمہ سے مولانا خیر الدین نے علماء ہند کے نام مکتوب ارسال کئے۔ کہ میاں نذیر حسین کے عقائد کے سلسلے میں فتویٰ ارسال کریں تاکہ یہاں اُن کی مضبوط گرفت کی جاسکے۔ اس موقع پر مولانا وصی احمد محدث سورتی نے میاں نذیر حسین اور اُن کے تلامذہ کی عبارتوں سے ایک فتویٰ "**جامع الشواھد فی اخراج الوھابین عن المساجد**" ترتیب دیا جس پر علماء دہلی، دیوبند، لدھیانہ، کانپور، فرنگی محل اور بمبئی کے دستخط ومواہیر ثبت تھے۔

یہ فتویٰ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے دارالافتاء سے جاری ہوکر مطبع فیض محمدی لکھنؤ سے شائع ہوا اور پورے ہندوستان میں تقسیم کیا گیا۔ اس فتویٰ کی کچھ کاپیاں مولانا خیر الدین

، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو ارسال کی گئیں جو حجاز میں ردِ وہابیت کی تحریک میں پیش پیش تھے۔ اُنہوں نے حجاز کے حکام کو تمام حقائق سے آگاہ کیا۔ غرض جب میاں نذیر حسین اپنی جماعت کے ہمراہ مکہ معظّمہ پہنچے تو وہاں صورتِ حال ہی مختلف تھی۔ چونکہ علماء کرام حکام کو آگاہ کر چکے تھے، اس لئے مکہ میں میاں نذیر حسین اور اُن کی جماعت کی نگرانی شروع ہوگئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے میاں نذیر حسین کے دورِ مکہ اور قیامِ حجاز کی بڑی جامع تفصیلات بیان کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ایک فتویٰ ''جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد'' کے نام سے مرتب ہوا تھا۔

معیار الحق (میاں صاحب کی کتاب) سے تقلید شخصی کے عدمِ وجوب اور التزام وتعین تقلیدِ شخصی کے مفاسد اور امام صاحب کی تابعیت سے تاریخی طور پر اور تحدید دہ دردہ کی عدمِ صحت اور تحدید ظلّ مثلین کی عدم صحت اور بعض دیگر مسائل مختلف فیہ میں مذہب محدثین کی توثیق وغیرہ کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ اور یہ استدلال کیا گیا تھا کہ ان سے امام صاحب کی تحقیر وتوہین مقصود ہے بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا نذیر حسین اور مولانا تلطف حسین عظیم آبادی معہ ایک اور رفیق کے گرفتار کر لئے گئے اور ایک نہایت ہی تنگ وتاریک محبس میں قید کر دیے گئے۔

چند دن بعد شریف مکہ نے بلایا اور جب انہوں نے اپنی گرفتاری کی وجہ دریافت کی تو بتایا گیا کہ تمہیں وہابی عقائد رکھنے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ مکہ معظّمہ اسلام کا اصل مرکز ہے اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ فاسد عقائد رکھنے والوں کا احتساب کریں تاکہ وہ گمراہ نہ کرسکیں۔ دوسرے دن شریف مکہ کے ہاں ایک مجلس منعقد ہوئی اور اس میں

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے کہا گیا کہ ان کے عقائد کی فہرست پیش کریں۔فہرست میں سب سے پہلا الزام امام صاحب (امام ابوحنیفہؒ) کی توہین کا تھا اور باقی مذکورہ الزامات تھے۔مولوی نذیر حسین کی طرف سے مولوی تلطف حسین تقریر کرتے تھے۔انہوں نے کہا ہم پر یہ جو الزام ہے کہ ہم وہابی ہیں اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کی جماعت سے ہیں بالکل غلط ہے۔ہم قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔(۱)

مختصراً یہ کہ علماء نے شریف مکہ کی مجلس میں میاں نذیر حسین کے عقائد وہابیہ کی کھل کر تفصیلات پیش کیں اور میاں نذیر حسین اپنی اور اپنے شاگردوں کی تحریر کردہ باتوں سے کھلے بندوں سے منکر ہوتے رہے۔حتیٰ کہ اُنہوں نے اپنی کتاب ''معیار الحق'' کے بعض مندرجات سے بھی برأت چاہی۔بقول مولانا ابوالکلام آزاد اس پر ثبوت میں جامع الشواہد پیش کی گئی۔اُنہوں نے کہا کہ یہ مخالفین کی چیز ہے اور ہم اس کے ذمہ دار نہیں۔ اس پر کسی پشاوری (۲) کا ایک رسالہ پیش کیا گیا جو مولانا نذیر حسین کا شاگرد تھا۔مگر اُنہوں نے اس سے بھی بے تعلقی کا اظہار کیا۔معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نذیر حسین مرحوم

---

(۱) ابوالکلام کی کہانی ص ۱۲۱،۱۲۲۔

(۲) گذشتہ پشاوریکا نام اخوند صدیق پشاوری تھا،میاں صاحب کا شاگرد تھا اس نے ایک رسالہ'' نصر المومنین'' میاں صاحب کے حسب لکھا۔جسمیں ختم نبوت پر بحث کرتے ہوۓ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ''خاتم النبین'' الف لام عہد خارجی کا ہے۔جس کے معنیٰ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض کے خاتم ہیں (استغفر اللہ) میاں نذیر نے پشاوری سے مکہ میں لاتعلقی ظاہر کی۔مگر حقیقتاً یہ میاں کا عزیز شاگرد تھا ۱۸۵۷ء کے غدر میں جب انگریزی میم کو اٹھا کر گھر لائے تھے تو یہ شخص اُن کے ساتھ،جیسا کہ حیات بعد الممات کے صفحہ ۱۲۸ پر خود میاں صاحب کے اپنے بیان سے ظاہر ہے،عالم دین ہونے کا دعویٰ کرنے والے ایک شخص کی بات میں یہ تضاد بڑا مضحکہ خیز،اور میاں صاحب کے کردار اور مسلک کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔(مرتب)

مجمل ومختصر بیان دے کر معاملے کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ آخر اُنہوں نے اس بیان پر اکتفا کیا کہ ہمارا عقیدہ اہل سنت وجماعت کا ہے۔ آئمہ اربعہ کو ہم مانتے ہیں۔ چاروں کو حق پر سمجھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کو اپنا پیشوا جانتے ہیں۔ اُن سے بغض کو خلاف شیوہ ایمان سمجھتے ہیں۔ اور کتب فقہ پر عمل کرنا جب تک قرآن وحدیث کیخلاف نہ ہو خود ہمارا شیوہ ہے۔(۱)

نذیر حسین کا تقیہ:

مکہ معظّمہ میں میاں نذیر حسین کی اس پر جان بخشی نہ ہوئی۔ بلکہ شریف مکہ کے یہاں تیسری پیشی پر اُنہوں نے اور اُن کے رفیق مولوی سلیمان ابن الحاج اسحٰق جونا گڑھی نے اپنے عقائد کے انکشاف پر شریف مکہ کے روبرو ایک توبہ نامہ تحریر کیا اور تحریراً حنفی العقیدہ ہونے کا اعلان کیا جب یہ اطلاعات ہندوستان پہنچیں تو ہر طرف اس فتنۂ عظیم کے استیصال پر خوشیاں منائی گئیں مگر مکر کے بندوں کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔ ان افراد نے مکہ سے ہندوستان واپسی پر اپنی شکست کو مصلحت سے تعبیر کیا۔

اور از سر نو وہابیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں والی حجاز نے اپنی توہین محسوس کی اور ان افراد کے توبہ نامے کو بڑی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کروا دیئے تا کہ عوام اہل سنت پر صحیح صورتحال واضح ہو سکے۔

۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں غیر مقلد مولوی ثناء اللہ امرتسری نے ہندوستان خصوصاً پنجاب میں آئمہ اربعہ کی تکفیر کرنے اور فتنہ انگیزی میں تمام غیر مقلدوں کو پس پشت ڈال دیا

(۱) ابوالکلام کی کہانی:

چنانچہ امرتسر کے ہفت روزہ اخبار ''الفقیہ'' نے اپنی ۵/جولائی ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں یہ توبہ نامہ من وعن شائع کر دیئے۔

میاں نذیر حسین کا توبہ نامہ:

اخبار لکھتا ہے! کہ ناظرین باتمکین، یہ وہ توبہ نامہ ہے کہ مذہب وہابیہ کے امام مولوی نذیر حسین سورج گڑھی ثم الدہلوی مع جماعت وہابیہ ۱۳۰۰ھ میں جب حج کے واسطے مکہ معظّمہ گئے اور والیٔ حجاز کو ان کی لامذہبیت کی اطلاع ہوئی تو ان کو گرفتار کرا کے محکمہ عالیہ میں طلب کیا تب مولوی نذیر حسین نے وہابیت سے توبہ کی اور بقلم خاص تحریر کیا کہ اب میں وہابیت سے تائب ہوا اور مذہب حنفی اختیار کیا۔ چنانچہ وہ توبہ نامہ حسب الحکم والی حجاز کے (مطبع میریہ واقع مکہ معظّمہ) ۲۶/ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ میں طبع ہو کر اطراف عالم میں پہنچا ہر ملک کے لوگ اس توبہ نامہ سے واقف ہیں۔ اصل توبہ نامہ مطبوعہ مکہ معظّمہ حافظ عبداللہ مرحوم (امام مسجد جامع بہار) کے مکان میں موجود ہے اور اُس کی نقل عالم اہل اسلام کی یاددہانی کے واسطے شائع کی جاتی ہے۔

توبہ نامہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمده ونصلی علی رسوله الکریم۔ اما بعد فان السید المولوی محمد نذیر حسین الدهلوی والحاج المولوی سلیمان ابن الحاج اسحاق الجونا گڈی من غیر المقلدین وصلا الی مکة المکرمه فلماظهر حا لهما احضرا فی المحکمة العلیة واستتاما فتابا عن العقیدة الضالة الجدیدة والطریقة الخبیثة الوهابیة بین یدی حضرة

المشیرہ المفتخم والدستور المکرم ولوزیر المعظم والی ولایۃ الحجاز دوالتلو السید عثمان نوری لازالت شمس اجلالہ من افق الاقبال بازغۃ وکتبا بقلمہا ماترجمتہ ھذا وکذلک تاب کل من کان عقیدہ کعقیدتہما من رفقائہما وممن اقام بمکۃ المکرمۃ وذالک فی السادس والعشرین من ذی الحجۃ من عام ۱۳۰۰ھ۔

ترجمہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔اما بعد مولوی سید نذیر حسین دہلوی اور مولوی الحاج سلیمان ابن الحاج اسحاق جونا گڑھی جو کہ سردار ہیں ایک گمراہ فرقہ غیر مقلدین وہابیہ کے۔یہ دونوں اشخاص مکہ مکرمہ میں آئے جب اُنکی حقیقت کھلی تو ان دونوں کو محکمہ عالیہ میں طلب کیا گیا باز پرس ہوئی پس دونوں نے توبہ کی اس نئے گندے عقیدے اور طریقۂ خبیثہ وہابیہ سے حجاز مقدس کے فرمانروا، والی سیّد عثمان نوری (ان کے اقبال کا سورج ہمیشہ ضوفگن رہے) کے دربار میں دونوں اشخاص نے اپنے قلم سے ایک توبہ نامہ لکھا جو درج ذیل ہے اور اس طرح تمام حاضرین میں سے جو لوگ اس عقیدہ کے حامل تھے اور جو ان کے ہم عقیدہ رفیق تھے اور مکہ میں مقیم تھے سب نے توبہ کی۔۲۶/ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔حامداً ومصلیاً اما بعد فان العاجز السید محمد نذیر حسین متبع السنۃ والجماعۃ عقیدۃ وعملاً وانا اعلم ان خلافہا من المذاھب کلھا سوء سواء کان من الرافضیۃ والخارجیۃ والوھابیۃ وانی افتی موافقاً للمذھب الحنفی وانا حنفی المذھب وتبت مما اخطاءت وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ

اجمعین۔ الراقم السید محمد حسین بقلمہٖ۔

ترجمہ:بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔حامداً ومصلیاً اما بعد ۔ ناچیز سید محمدنذیرحسین متبع ہے سنت و جماعت کاازروئے عقیدہ وعمل کے مجھے معلوم ہے کہ مسلک اہلسنت کے علاوہ ہر مذہب خواہ رافضیہ کا ہوخواہ خارجیہ کایاوہابیہ کااور میں مذہب حنفی پر فتویٰ دیتاہوں اور حنفی ہوں اور جو مجھ سے لغزشیں ہوئی ہیں ان سے توبہ کرتاہوں ،صلوٰۃ و سلام نازل ہوہمارے آقاوسردارمحمد صلی اللہ علیہ وسلم پراورآپ کی آل پرصحابہ پراورسب پر۔

الراقم السید محمدنذیرحسین بقلم خود

بنیادی طور پر جامع الشواہد کی ترتیب واشاعت کا مقصد سرزمین حجاز پر میاں نذیر حسین کے عقائد کی گرفت تھالیکن بعد میں یہ فتویٰ غیر مقلدوں کے رد میں ایک جامع دستاویز کی شکل اختیار کرگیا۔اورتقریباً نصف صدی تک اس فتویٰ کی گونج ہندوستان میں سنائی دیتی رہی۔غیر مقلدوں کے رد میں لکھی جانے والی بیشتر کتابوں میں علماء نے اس فتویٰ کو اپنا ماخذ بنایا اور بیشتر کتابوں میں بطور ضمیمہ بھی اسے شامل کیا گیا۔ ہر چند اس فتویٰ پر مختلف بلاد وامصار کے علماء کی مواہیر ثبت ہیں اوراس فتویٰ کی عبارتوں کی تصدیق موجود ہے لیکن اس کے باوجود غیر مقلد ہمیشہ اس کی صحت سے انکار کرتے رہے۔ چنانچہ غیر مقلد مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے اپنے پرچے اشاعت السنہ نمبر ۵ جلد ششم بابت ماہ رجب ۱۳۰۰ھ میں ایک اشتہار دیا جس کی عبارت یہ تھی کہ جوشخص اُن اعتقادات اور عملیات کو جو کہ فرقۂ غیر مقلدین کی طرف ایک پرچہ جامع الشواہد مطبوعہ فیض محمدی لکھنؤ میں منسوب کردیئے گئے ہیں اُن کی کتب معتبرہ سے ثابت کردے تو ہزارروپے نقد انعام پائے۔مولانا عبدالعلی اسی مدراسی نے اپنے رسالہ تنبیہ الوہابین میں اس اشتہار پر تبصرہ

کرتے ہوئے لکھا ہے۔

تبصرہ مولانا عبدالعلی اور وسوسۂ غیر مقلدین:

غیر مقلدین نے عوام مقلدین حنفیہ کو بہکانے اور شک میں ڈالنے کے واسطے یہ ایک نیا طریقہ نکالا تاکہ وہ عوام کو یہ تاثر دے سکیں کہ جو کچھ ہمارے بارے میں تحریر کیا جارہا ہے وہ سب غلط اور بے بنیاد ہے جبکہ فتویٰ جامع الشواہد میں مفتی لبیب نے پہلے ہی سے بایں خیال کہ کسی منکر کو ان عقائد واعمال کے مان لینے میں گنجائش انکار کی نہ ہو ہر ایک عبارت کو بحوالہ ہندسہ صفحہ کتاب مع تصریح نام مطبع ومصنف کتاب کے صاف صاف لکھدیا اور اُن ہی غیر مقلدین کی چھپی ہوئی تحریر سے اُن کے عقائد فاسدہ اور اعمال کاسرہ کو بخوبی ثابت کردیا ہے پھر اب اُن مسائل کے طلب ثبوت میں اشتہار دینا کس قدر تجاہل اور فریب دہی عوام ہے۔اور کتنی بڑی دھوکے بازی کا یہ کام ہے۔ (۱)

دوغلی پالیسی اور غیر مقلدین کا تقیہ:

اسی زمانہ میں مولوی رشید احمد گنگوہیؒ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ زید اپنے آپ کو حنفی بتاتا ہے اور وہ مولوی نذیر حسین کا مداح ہے اور یوں کہتا ہے کہ جامع الشواہد میں جو عقائد غیر مقلدین کے درج ہیں وہ غلط ہیں۔صاحبِ جامع الشواہد نے غیر مقلدوں پر تہمت کی ہے؟

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے جواب دیا کہ !غیب کی بات کو اللہ جانتا ہے مگر اصل حال یہ ہے کہ اس زمانہ میں غیر مقلد تقیہ کر کے اپنے آپ کو حنفی

---

(۱) تنبیہ الوہابین (مولانا عبدالعلی آسی مدراسی) ص ۴۳۳۔

کہد یتے ہیں اور واقعہ میں حنفیہ کو مشرک بتلاتے ہیں۔خود مولوی نذیر حسین نے مکہ معظمہ میں غیر مقلد ہونے سے تبریٰ اور حلف کیا اوراپنے آپ کو حنفی بتلایا اور ہندوستان میں وہ ہرروز سخت غیر مقلد تھے اوراب بھی وہ ایسے ہی ہیں۔

سوامام کا جب یہ حال ہے تو ان کے مقتدی کیسے ہوں گے۔اور مولوی نذیر حسین کا حنفیوں کو بدتر از ہنود کہنا معتبر لوگوں سے سنایا گیا ہےاور خود مخلص ان کے شاگرداُن کے تقلید شخصی کو شرک بتلاتے ہیں۔تو یہ مداح اُن کا حنفی کس طرح ہوسکتا ہے۔یہ دعویٰ اُس کا قابلِ قبول نہیں بظاہر حال اور جامع الشواہد سے لاریب دوسرے غیر مقلدین بھی تبریٰ کہتے ہیں مگر جن جن رسائل سے صاحبِ جامع الشواہد نے عبارتیں نقل کی ہیں اُن میں ہرگز تحریف نہیں چند موقع سے بندہ نے بھی اس کا مطالعہ کر دیکھا ہے اور یہ عقائد بعض غیر مقلدین کے بعض معتبروں کی زبانی دریافت ہوئے۔اور وہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔

تقلیداورآئمہ متبعون کے متعلق نظریہ:

تقلید بدعت مذمومہ اور مخالف طریق اسلام ہےاور ائمہ مجتہدین مثل احبار ورھبان کے ہیں (یعنی علماء یہود) اور حضرات مقلدین مصداق ان آیات کا ہیں:

اتخذ وا احبارھم ورحبانھم اربابًامن دون اللہ۔

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اٰبآء نا ۔(۱)

---

(۱) ثبوت الحق الحقیق ص ۳۰۴ از مولوی نذیر حسین۔

اجماع امت کے متعلق عقیدہ:

اجماع کل امت کا جس کی سند ہم معلوم نہ ہو حجت شرعی نہیں ہے۔

کتاب معیار الحق مصنفہ مولوی نذیر حسین دہلوی۔(۱)

اجتہاد و قیاس کے متعلق عقیدہ:

مجتہد کا قیاس شریعت میں حجت نہیں ہے۔کتاب معیار الحق ص۷۹ از مولوی نذیر حسین۔(۲)

تالیفات:

مولوی نذیر حسین دہلوی نے جب حنفی مسلک چھوڑا اور کھل کر اپنے اصلی روپ میں آئے تو نواب قطب الدینؒ نے مسئلہ تقلید اور دیگر اہم مسائل کے بارے میں ایک کتاب تنویر الحق لکھی۔نواب محمد قطب الدینؒ لکھتے ہیں اُن لامذہبوں نے نہ مانا اور وہ لامذہبی میں زیادہ مصر ہوئے اور اپنی نشست و برخاست سید نذیر حسین کے پاس زیادہ رکھنے لگے۔ اور سید صاحب کو ایسا ورغلایا اور اپنے ساتھ سانٹھا کہ سید نذیر حسین بھی اُن کی ممنونی اور مشکوری میں لٹو بن کر اُنکی حمایت کرنے لگے،اور کہنے لگے کہ میں 20،22 سال سے ایسا ہی تھا۔لیکن کسی کو معلوم نہ تھا اور میں کیا کروں مجھ کو
تو یوں ہی سوجھتی ہے۔تب فقیر (قطب الدین) نے مسنون استخارہ کے بعد 2 رسالے ایک ''تنویر الحق'' اور دوسرا'' توقیر الحق'' لکھا۔(۳)

---

(۱) اعتصام السنہ عبداللہ محمدی ص۲۴۔

(۲) اعتصام السنہ عبداللہ محمدی ص۳۶۔

(۳) تحفۃ العرب والعجم ص۷۰۶۔

نواب صاحب کی اس کتاب کے جواب میں سید نذیر حسین دہلوی نے یہ کتاب لکھی۔
لیکن اپنے اندراتنی استعداد نہ ہونے کی وجہ سے محمد حسین نومسلم کو اپنے ساتھ ملایا۔(۱)
عجیب بات یہ ہے کہ محمد حسین بٹالوی تو اس کو اپنی کتاب کہتا ہے۔(۲)

میاں نذیر حسین کی علمی استعداد:

بانی مذہب غیر مقلدین المعروف نام نہاد اہل حدیث سید نذیر حسین دہلوی کی علمی استعداد کا یہ حال تھا کہ نواب قطب الدین کی ''تنویر الحق'' اور ''توقیر الحق'' کا جواب لکھنے کے لئے ایک نومسلم مولوی محمد حسین کو ساتھ ملا کر ایک کتاب لکھی۔ اس سے بڑھ کر اس مذہب کی بدقسمتی دیکھئے کہ محمد حسین بٹالوی کو اتنا حسد ہوا کہ اُس نے اِس کو اپنی کتاب کہا۔ ماشاء اللہ سید نذیر حسین دہلوی کی عقل اور علمی استعداد کا یہ حال تھا کہ شاہ ولی اللہؒ کی طرف قول السدید کو منسوب کر دیا۔(۳)

علامہ ابن حجرؒ کی عبارت کو علامہ شامی کی عبارت قرار دے دیا۔(۴،۵،۶،۷)

امام ابن خلکان، ابن حجر عسقلانی، امام نوی، علامہ ابن طاہر کی عبارات میں ایسی قطع و برید کی کہ گویا یہ حضرات امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو تابعی نہیں مانتے حالانکہ یہ سب امام صاحبؒ کی تابعیت کے قائل ہیں۔

---

(۱) مدار الحق ص ۵۸۔

(۲) اشاعت السنہ ص ۳۳۶۔

(۳) ص ۵۳۔

اسماء الرجال اور میاں صاحب:

اسماء الرجال کے بارے میں استعداد کا یہ حال تھا کہ ایک حدیث جس کا راوی سلیمان بن میران الاعمش صحاح ستہ کا اجماعی شیخ تھا اس کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے اس راوی سلیمان بن ارقم قرار دے دیا۔(۱)

اور خالد بن حارث کو خالد بن مخلد قرار دے دیا اور ایک حدیث کا انکار کرنے کے لیے اسامہ بن زید اللیثی کو اسامہ بن زید العدوی قرار دے دیا۔ اور صفحہ 219 پر حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں سار میلین او ثلاثہ کا ترجمہ کیا ہے 2-3 کوس مسافت چلیں، حالانکہ ایک کوس 3 میل کا ہوتا ہے افسوس کہ اس کم استعداد پر بھی ان کو شیخ الکل کہا جاتا ہے۔

---

(۱) ص ۲۲۵۔
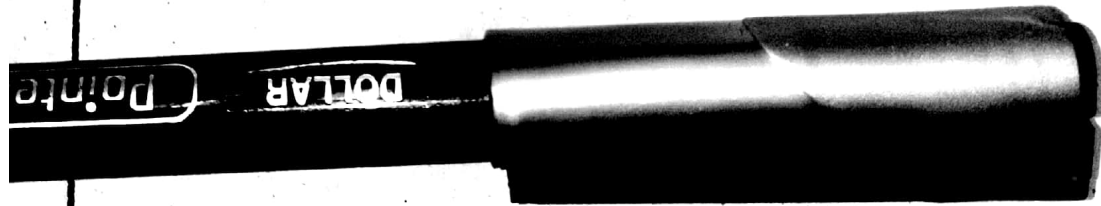
میاں نذیر حسین کے مشہور تلامذہ:

(۱) مولوی شہود الحق:

جس نے لکھا ہے کہ ''خدا کا جھوٹ بولنا''

(۲) رشید اخوند صدیق پشاوری:

جس نے اپنی کتاب ''نصر المومنین'' میں خاتم النبین کے متعلق لکھا ہے کہ خاتم النبین میں لفظ الف، لام۔عہد خارجی کا ہے جس کے معنٰی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ بعض بعض انبیاء کے خاتم ہیں۔حالانکہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے خاتم ہیں۔

(۳) مولوی محی الدین نو مسلم:

جنہوں نے ''**ظفر المبین**'' نامی کتاب میں تقلید کو شرک اور حرام لکھا ہے اور مقلدین، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، اور حنابلہ کو صریح مشرک اور کافر لکھا۔(العیاذ باللہ)

(۴) مولوی ثناء اللہ امرتسری: جس نے لکھا ہے کہ سود لینا حرام ہے دینا حرام نہیں۔

(۵) مولوی عبد الرحمٰن مبارک پوری ۱۳۵۳ھ: جس نے لکھا ہے کہ جھاڑ پھونک قرآن کے علاوہ بھی جائز ہے۔